ہفت روزہ

ذوالفقار

گھوٹکی

قیمت /۵ روپے

قارئین کہتے ہیں

سندھ کی نوکر شاہی کے کارنامے

سندھ کی نوکر شاہی نے ان دنوں یہاں کے عوام پر شدید ظلم و تشدد کا بازار گرم کر رکھا ہے اور مزدور کسان رہنماؤں اور کارکنوں کو اذیت پہنچانے کی شرمناک کارروائیاں کی جا رہی ہیں کسان رہنما جناب جام ساقی کو گرفتار کرنے کے بعد ان پر بے پناہ تشدد کیا جا رہا ہے سندھ ہاری کمیٹی کے رہنماؤں کسان کارکنوں، طالب علم لیڈروں اور مزدور رہنماؤں کے خلاف جھوٹے مقدمات قائم کر کے جگہ جگہ چھاپے مار کر خوف و ہراس کی عام فضا پیدا کر دی گئی ہے ان کے عزیز و اقارب کو تھانوں میں لے جا کر بے عزت کیا جا رہا ہے اور ان کارکنوں کے والدین سے ان کے بیٹوں کے بارے میں تشدد کے ذریعے پوچھ گچھ کی جاتی ہے کہ وہ کہاں ہیں۔

ڈھرکی کے ایک بینک پر ڈاکے کے کیس میں بینک کے ملازمین کو پولیس ڈرا دھمکا کر کسان رہنماؤں پر اس ڈاکے کا الزام لگانے پر مجبور کر رہی ہے کہ وہ ان کے کہنے کے مطابق نشان دہی کریں لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ خوف و ہراس اور بے چینی کی اس فضا کو فی الفور ختم کیا جائے۔

غلام حسین ششر بلوچ
آرگنائزنگ سیکرٹری سندھ ہاری کمیٹی ضلع خیرپور

ترے وعدے پر جیے ...

پاکستان کے ہر باشعور شہری کو قومی اتحاد کے وہ وعدے یاد ہیں جو اس کے لیڈر الیکشن سے پہلے ہر پانچ منٹ بعد دہراتے تھے "ہم قیمتوں کو ۱۹۷۰ء کی سطح پر لا کر کھڑا کر دیں گے ہم ملک میں ہر فرد کو روزگار مہیا کر دیں گے ملک میں اسلامی نظام کا ٹھیکہ تو ہمیں پہلے ہی مل چکا ہے" وغیرہ وغیرہ

لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ قومی اتحاد کے دور حکومت میں بیرونی دنیا میں پاکستان کے معیار کا کیا حال ہے قیمتوں کو تو نہ چھیڑیں ورنہ ہر پاکستانی اور خاص طور سے غریب طبقہ تو بلبلا اٹھے گا۔

سیمنٹ کے لیے سارے بازار دیکھ لیجیے ایک بھی بوری نہیں ملے گی۔ آٹے کے پرمٹ کے لیے دفتروں کے چکر کاٹیے کپڑوں کے لیے جوبا مارکیٹ اور لنڈا بازار جانا پڑے گا امریکیوں کے اترے ہوئے کپڑوں کے لیے پاکستانی بازار سب سے زیادہ موزوں ہیں اور امریکہ چونکہ پاکستان کے بحران کا ذمہ دار ہے اب فائدے ہی فائدے ہیں ہے کیونکہ پرانے کپڑوں کی یہاں خوب کھپت ہے۔

ہم قومی اتحاد والوں سے صرف یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ آپ لوگوں کے وعدوں کی تکمیل کب ہوگی۔ ۹۰ دن ہم لوگ کب تک آسمان سے باتیں کرتی ہوئی قیمتوں سے لڑتے رہیں گے اور کب تک پرمٹوں کے پیچھے بھاگتے رہیں گے۔

خان غاشی نائب صدر
گورنمنٹ کالج مردان

ریڑھی والوں پر مظالم

موجودہ بے روزگاری کے دور میں اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے ہم غریب ریڑھی والے شہر کی مختلف تجارتی سڑکوں پر ریڑھیاں لگاتے ہیں کنٹونمنٹ بورڈ اور میونسپل کارپوریشن انتظامیہ ہم غریب لوگوں کو مختلف حیلوں بہانوں سے پریشان کیے رکھتی ہے ہمارے پاس نہ تو اتنا سرمایہ ہے کہ ہم کسی دکان کا کرایہ ادا کریں اور پگڑی دینے کا تو ہم خواب بھی نہیں دیکھ سکتے سردیوں کے موسم میں تو ہمارا ناک میں دم کر دیا جاتا ہے اس لیے کہ علاقہ مری کے بے روزگار بھی اس موسم میں یہاں آ کر ریڑھیاں لگاتے ہیں۔

ہم بھی اس ملک کے ایسے ہی شہری ہیں جیسے کہ دکاندار بلکہ ہماری بدولت تو قیمتوں میں کمی ہوتی ہے یہ بات یہاں کے بڑے منافع خور کاروباری حلقوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ اور وہ کنٹونمنٹ اور میونسپل انتظامیہ سے مل کر ہمیں تنگ کرنے پر کمر کسے رہتے ہیں۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی واضح ہدایت کے باوجود کہ مارشل لاء کے نام پر ریڑھی والوں پر ظلم نہ کیا جائے اس ماہ کی ۱۴ تاریخ کو مقصود نامی ریڑھی ہاکر کو دفتر بلا کر اس سے تین روپے وصول کیے گئے حالانکہ اسکی ریڑھی کے سامان کی قیمت بھی اتنی نہ تھی جتنی کرائی پر مارشل لاء کے نام پر جبر ادا کیا گیا کنٹونمنٹ بورڈ کے ایگزیکٹو افسر کے ایماء پر یوسف زئی نامی شخص نے لائن برانچ انسپکٹر اشرف کے ساتھ مل کر ہم غریب ریڑھی ہاکرز پر بے رحمانہ استحصال کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے یوسف زئی آئے دن ریڑھی ہاکرز سے غنڈہ ٹیکس وصول کرتا رہتا ہے تاکہ وہ اپنے کنٹونمنٹ کے پشت پناہ افسروں کی جیبیں بھر سکے۔

ہماری یونین نے مارشل لاء حکام کی موجودگی میں ۲۶۵ لائسنسوں کی ایک فہرست کنٹونمنٹ بورڈ انتظامیہ کو دی تھی جن کی منظوری بھی دے دی گئی تھی مگر آج تک لائسنس جاری نہیں کیے گئے بلکہ یوسف زئی نے تو لائسنسوں کے اجراء کا لارا دیکر ریڑھی ہاکرز سے ہزاروں روپے بھی بٹور لیے ہیں اور صرف ۱۸۶ لائسنسوں کی وصولیابی کی رسیدیں دی گئیں جن پر ریڑھی لگانے کی جگہ بھی تبدیل کر دی گئی جس سے ہمیں اور مشکل میں ڈال دیا گیا ہے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ یوسف زئی نے جو رقم وصول کی ہے ہمیں واپس دلائی جائے۔ اور اس دھاندلی کی تحقیقات کرائی جائے

شیخ محمد جاوید صدر ریڑھی ہاکرز یونین۔ راولپنڈی (صدر)

واپڈا انتظامیہ کا کچا چٹھا

ہم پریس کے توسط سے مارشل لاء حکام اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے باشعور عوام کو ان چند حقائق سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں جو پاکستان واپڈا (بلوچستان) کے محنت کشوں کو درپیش ہیں۔

واپڈا ایمپلائز یونین بلوچستان نے واپڈا اتھارٹی کو ایک چارٹر آف ڈیمانڈ انڈر سیکشن ۲۶-۱ انڈسٹریل ریلیشنز آرڈیننس ۱۹۶۹ء کے تحت مورخہ ۷۸-۲-۱۷ کو دیا تھا جس پر ڈائریکٹر لیبر واپڈا نے مورخہ ۷۸-۶-۲۰ کو ایک چھٹی کے ذریعے باہمی گفت و شنید کے لیے ایک ماہ کا وقت مانگا اور یونین نے اسے نیک جذبات کے ساتھ قبول کیا لیکن بڑے افسوس کا مقام ہے کہ چار ماہ گذر جانے کے بعد انتظامیہ سرد مہری کا مظاہرہ کر رہی ہے چارٹر آف ڈیمانڈ میں دیے گئے مطالبات کی اکثریت ان باتوں سے تعلق رکھتی ہے جو اس سے پیشتر واپڈا اتھارٹی نے اصولی طور پر تسلیم کیے ہیں اور جو محنت کشوں کی بنیادی ضروریات سے تعلق رکھتی ہیں۔

واپڈا کی مطلق العنان انتظامیہ حکومت اور عوام کو یہ تاثر دیتی رہی ہے کہ واپڈا کی کارکردگی کا تمام تر دارومدار واپڈا انتظامیہ پر ہے لیکن ہم معزز پریس کی وساطت سے حکومت اور عوام پر یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ واپڈا ایک ایسا بدنام زمانہ ادارہ بن گیا ہے جس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ ملک اور قوم کا کروڑوں روپے کا سرمایہ حکام کی نااہلی اور ملی بھگت کی وجہ سے نہ صرف ضائع ہو رہا ہے بلکہ بدعنوانیوں کی نذر ہو رہا ہے جس کی مثال بلوچستان میں بجلی کی سپلائی سے ملتی ہے لورالائی، خضدار اور قلات کے پاور ہاؤس میں لاکھوں روپے کے سرمائے سے لگائے گئے انگلش الیکٹرک سیٹ اب تک ناکارہ ہیں۔ ملک اور قوم کے سرمائے سے لگائے گئے جنریٹرز بلوچستان کے دور دراز علاقوں میں نصب کیے گئے ہیں اور جن کی مدت تقریباً دو سال ہوئی ہے۔ ہم مارشل لاء حکام سے مطالبہ کرتے ہیں کہ معلوم کریں کہ ان کے نئے جنریٹر سیٹوں پر دو سال کے عرصے میں کتنا سرمایہ خرچ کیا گیا ان جنریٹروں کی ایسی حالت ہے کہ جس پر مزید اخراجات کیلئے تا حال دروازے کھلے ہیں۔

اپریل ۱۹۷۷ء میں ہڑتال کے دوران نکالے گئے ملازمین کا تا حال فیصلہ نہیں ہوا جس کی وجہ سے نہ صرف واپڈا ملازمین بلکہ ان کے اہل خاندان معاشی بدحالی کا شکار ہیں جبکہ صدر پاکستان اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے اپنی نشری تقریر میں فرمایا تھا کہ "۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۷ء تک نکالے گئے ملازمین کو ایک ماہ کے اندر خوشخبری سنائی جائے گی۔" ملازمین اس خوشخبری کے لیے اب تک گوش بر آواز ہیں۔

قمر الدین کرد صدر
واپڈا ایمپلائز یونین بلوچستان۔

اب کس کی باری ہے؟

حضرت جوش ملیح آبادی کے خلاف جو مہم چلائی جا رہی ہے اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اب جماعت اسلامی نے اور اس کے اشاروں پر چلنے والی حکومت نے ترقی پسند نظریات رکھنے والے دانشوروں ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کے خلاف اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا ہے اس کی ابتداء جوش ملیح آبادی سے کی گئی ہے تو توقع ہے کہ اب باری فیض احمد فیض کی آئے گی۔

رشید سہراب۔ میرپور خاص

هفت روزہ
ذوالفقار
گھوٹکی

چیف ایڈیٹر: سید اظہر گیلانی

دفتر رابطہ

الفتح

مطبوعات

۶۹-ڈی ۵- زسری کمرشل ایریا پی-ای-سی-ایچ-ایس کراچی ۲۹ —— ٹیلیفون نمبر: ۴۳۲۲۷۴

مدیر اعلیٰ (اعزازی)
ارشاد راؤ

مدیر
واحد بشیر

وقائع نویس
منہاج برنا شبیہ الحسن

کالم نگار
حسین نقی

انتظامی امور
حاجی عدیل

سرورق
سعید الدین حسین

۱۲ر جنوری ۱۹۷۹ء

شمارہ ۶۸۲

قیمت ۵ روپے

خاص مضامین

بے نظیر بھٹو کا خط بنام ہوم سیکریٹری پنجاب —— ۷
پانچ وزیروں سے ایک سوال —— ۱۱
محمد صالح بلو سے انٹرویو —— ۱۴
مرحوم جسٹس کیانی کا خطاب —— ۱۹
رسول بخش پلیجو سے انٹرویو —— ۲۸
عدلیہ کی ایک اہم شخصیت کے خلاف شکایت —— ۲۰

نمائندے

اسلام آباد ○ ذوالفقار حیدری
آزاد کشمیر ○ سید نذیر گیلانی

صوبائی نمائندے

سندھ ○ مقیم نواب شاہ ○ محمد نواز خلجی
پنجاب ○ مقیم: لاہور ○ کاشف
سرحد ○ مقیم پشاور ○ خلیل خان خٹک
بلوچستان ○ مقیم: کوئٹہ ○ ناصر عرفات

ضلعی نمائندے

حیدرآباد ○ مدد علی بلوچ
تھرپارکر ○ محبوب احمد
سانگھڑ ○ ایاز سندھی
سکھر ○ ارشد حسین
ٹنڈوالہیار ○ کامل ستون،
ملتان ○ ناصر زیدی
گوجرانوالہ ○ محمد افضل جنجوعہ
ٹوبہ ٹیک سنگھ ○ غیاث الدین جانباز
فیصل آباد ○ طارق سعید
گجرات ○ میاں محمد شریف شاہد
میانوالی ○ روشن ملک
سرگودھا ○ الطاف چغتائی
وہاڑی ○ احسان ملک
گوادر ○ سلیمان شیروف

بیرونی ممالک

پیکنگ ○ رشید بٹ
ماسکو ○ محمد زاھد
کینیڈا ○ سعید بن سعود
لندن ○ عبدالحفیظ قریشی
یورپ ○ فاروق طارق
دوبئی ○ غلام جیلانی
کویت ○ ملک نذیر

پبلشر، پرنٹر: اے اے گیلانی نے سید پریس گھوٹکی سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ ذوالفقار گھوٹکی سے شائع کیا۔

عوام کو فیصلہ کرنے دیجئے ظالم کون ہے

نیا سال ظلم کی داستانوں کے ساتھ شروع ہوا ہے۔ کچھ پرانی ہیں جو ریڈیو اور ٹی وی پر سنائی اور دکھائی جا رہی ہیں اور شاید ان کی کمی پوری کرنے کے لیئے "نئی" داستانیں تخلیق کی جا رہی ہیں۔ ان داستانوں کے کردار کون ہیں ان کا ماضی کیا ہے اور ان کی نیک نفسی کے چرچے کہاں کہاں تھے۔ ان سطور میں ان کا جائزہ لینے کی گنجائش نہیں۔ لیکن اس "شو" کے پیچھے جو ذہن کام کر رہے ہیں شاید مستقبل سے اتنے خوف زدہ ہیں کہ ہوش و خرد سے عاری ہو گئے ہیں ورنہ انسانی نفسیات کا تھوڑا بہت علم رکھنے والے جانتے ہیں جب انسانی ذہن کو کسی ایک مخصوص سمت متحرک کیا جاتا ہے۔ تو پھر وہ ان حدود میں نہیں رہتا۔ جن میں اسے محدود رکھنا مقصود ہوتا ہے بلکہ اس سے ملتے جلتے سارے واقعات پردۂ ذہن پر تازہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور وہ چہرے بھی بے نقاب ہونے لگتے ہیں جنہیں چھپانے کے لیئے یہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔ اب اگر محمود اعظم فاروقی صاحب یہ کہیں کہ شاہی قلعے لاہور میں لوگوں پر تشدد نہیں کیا جاتا تو لوگ یہ پوچھنے میں حق بجانب ہوتے ہیں کہ کیا آج کل شاہی قلعے میں رشتے طے کرائے جاتے ہیں۔؟

جو لوگ آج کل ذرائع ابلاغ پر قابض ہیں وہ نہیں چاہیں گے کہ لوگ یہ یاد کریں کہ آج ۸ جنوری ہے۔ ۸ جنوری جو اس ملک کے طلباء اور جمہوری قوتوں کی جدوجہد میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور حکمران طبقات کے ظلم و جبر کی علامت بن گئی ہے ۱۹۵۳ء میں اسی روز کراچی کے نوخیز اور نوجوان طلباء کے لہو سے سڑکیں سرخ ہوئی تھیں۔ سڑکیں تو دُھل گیئں لیکن یہ لہو ظالموں اور ظلم کے آلہ کار اداروں کے ماتھے سے کبھی نہ دُھل سکے گا۔ پھر ملک کے مزدوروں کے ذہن سے یہ بات کیسے مٹائی جا سکے گی۔ کہ پچھلے سال اسی ماہ جنوری کی ۲ تاریخ کو کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان میں خون کی ہولی کھیلی گئی تھی۔ جس کے بارے میں ہائیکورٹ کے ججوں سے تحقیقات کرانے کے مطالبے کو مسترد کر کے حکمرانوں نے مزدوروں کے ذہن میں اپنا کردار واضح کر دیا۔ اس کے باوجود خود ان کی اپنی مقرر کردہ مارشل لاء ٹیم یہ گواہی دینے پر مجبور ہوئی کہ مزدوروں کو بلاجواز اور ارادتاً قتل کیا گیا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ مزدور جن لوگوں کو اصل مجرم سمجھتے ہیں وہ آج بھی دندناتے پھر رہے ہیں۔ پھر اپنی جابرانہ روایات کو تازہ رکھنے کے لیئے موجودہ حکمرانوں نے اس سال کا افتتاح ۳ جنوری کو روہڑی میں سمینٹ فیکٹری کے مزدوروں، ان کی خواتین اور بچوں پر وحشیانہ لاٹھی چارج سے کیا۔

ظلم کسی کے حکم پر ہو کسی کے ہاتھوں ہو ظلم ہے کسی ایک فرد کو ظلم کا ذمہ دار قرار دے کر عوام کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ وہ ظلم کے آلہ کار اداروں کو بھی جانتے ہیں اور ان مفادات کو بھی جن کے تحفظ کے لیئے ظلم کی راہ اختیار کی جاتی ہے۔ ہم موجودہ حکمرانوں اور خاص طور پر ذرائع ابلاغ پر قابض جماعتِ اسلامی پر مخلص ہونے کا شبہ نہیں کرتے۔ ورنہ ان سے کہیئے کہ بزرگوار ظلم اور ظالموں کا پردہ چاک کرنے کے اس عمل کو وسیع کیجئے۔ اور قیام پاکستان سے اب تک عوام پر ہونے والے مظالم کے اظہار کیلئے دروازے کھولیئے اور پھر لوگوں کو فیصلہ کرنے دیجیئے کہ ظالم کون ہے کوئی ایک فرد یا ایک طبقہ۔ اور پھر انہیں سزا تجویز کرنے کا اختیار بھی دیجیئے۔

**

بادشاہت کے خاتمے اور قومی جمہوریت کے قیام سے ہی امن قائم ہوگا

ایران

بختیار کی حکومت حالات پر قابو نہیں پا سکے گی

امریکہ ایرانی عوام کا مجرم بن چکا ہے

***

شبیہ الحسن

ایران میں فوجی حکومت کے ذریعہ شاہ کے اقتدار کو بچانے اور عوام کو کچلنے کا تلخ تجربہ ناکام ہوچکا ہے۔ یہ بات ثابت ہوگئی کہ تشدد اور طاقت استعمال کرکے عوام کے جمہوری، سیاسی اور معاشی حقوق کو زیادہ دیر سلب نہیں کیا جاسکتا۔ شاہ نے فوج کی تیاری اور امریکی اسلحہ کے ڈھیر لگانے میں ملک کے سارے وسائل کو جھونک دیا تھا لیکن یہ اسلحہ اور فوج بھرے ہوئے ہجوم کے سامنے موم کی دیوار ثابت ہوئی۔ گولیاں ختم ہوگئیں، کھلے ہوئے سینوں کا سمندر ختم نہیں ہوا فوج کے سربراہ جنرل ازہری مستعفی ہوگئے اور ہزاروں عوام کا خون اپنے سر لے کر گوشہ گمنامی میں چلے گئے۔ ان کے متعلق افواہ گرم ہے کہ دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کرگئے یا انہوں نے ایران چھوڑ دیا۔ بہرحال وہ پس منظر میں چلے گئے اور ایک بار پھر سول حکومت کا تجربہ کیا جارہا ہے جس کے سربراہ ایران کی سابق ملکہ ثریا کے کزن شاہ پور بختیار ہیں۔

ایران کے جلاوطن رہنما آیت اللہ خمینی نے ایران کے عوام سے کہا ہے کہ وہ بختیار حکومت کے احکام نہ مانیں۔ نئے وزیروں کو ان کے دفاتر میں داخل نہ ہونے دیں۔ یہ حکومت عوام کے خلاف ایک سازش ہے۔ ادھر سب سے بڑی حزب اختلاف نیشنل فرنٹ نے بھی نئی سول حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ حکومت کے خلاف نیشنل فرنٹ کی اپیل پر اتوار، جنوری کو پورے ملک میں قومی سوگ کا دن منایا گیا۔ دارالحکومت تہران کے علاوہ دوسرے شہروں میں مظاہرین اور فوج کے درمیان خونریز جھڑپیں ہوئیں ہمدان میں ایک پولیس کے سپاہی کو گولی سے اڑا دیا گیا۔ تہران کے ہنگامے میں فوج کی فائرنگ سے کم سے کم چالیس افراد ہلاک ہوگئے۔ آیت اللہ خمینی نے نئی حکومت کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ۸ جنوری کو سوگ منانے کا اعلان کیا ہے۔ اس طرح شاہ کے دو بڑے مخالفین مذہبی رہنماؤں اور نیشنل فرنٹ نے نئی سول کابینہ کو کلی طور پر مسترد کرکے نئی حکومت کی کامیابی کے سارے امکانات کو ختم کردیا۔

مبصرین اس نئی تبدیلی کو ایک نئی خانہ جنگی کا پیش خیمہ بھی قرار دے رہے ہیں۔ فوج کے جنرل ہر حالت میں اپنے اقتدار کا تسلسل چاہتے ہیں۔ ایران سے شاہ کی روانگی کو بھی اپنے وجود کے لئے خطرہ قرار دیتے ہیں جبکہ شاہ اور شاہ پور بختیار کے درمیان سمجھوتہ بازی میں یہ بات طے پاچکی ہے کہ شاہ محمد رضا پہلوی عارضی طور پر ایران سے چلے جائیں اس دوران ایک ریجنسی کونسل شاہ کے اختیارات استعمال کرے گی ایران میں حالات نارمل ہونے کے بعد شاہ ایران آجائیں گے۔ فوج میں اس خدشے کا اظہار کیا جارہا ہے کہ شاہ کی عدم موجودگی میں ان کے اختیارات اور مفادات محدود کرنے کی کوشش کی جائے گی جس سے اس کے مستحکم وجود میں دراڑیں پڑ سکتی ہیں۔ امریکی سیاستدان جنرلوں کی اس سوچ سے تذبذب میں مبتلا ہیں کہ کہیں وہ نئی حکومت کے خلاف بغاوت نہ کردیں۔ اگر ایسی کوئی صورتحال پیدا ہوگئی تو ایران کے حالات اس کے کنٹرول سے مکمل طور پر باہر ہوجائیں گے پھر شاہ اور امریکی مفادات کا بچانا بے حد مشکل کام ہوگا چنانچہ امریکی نمائندے شاہ پور بختیار کی حمایت میں فوجی جنرلوں کو رضامند کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اس کے باوجود یہ بات طے ہے کہ حزب اختلاف کی پارٹیوں اور مذہبی رہنماؤں کی حمایت سے محروم ڈاکٹر بختیار کی حکومت زیادہ دیر نہیں چل پائے گی۔ اس کا حشر بھی پچھلی حکومتوں جیسا ہی ہوگا۔ ڈاکٹر بختیار نے اپنے انٹرویوز اور بیانات میں عوام کے دل جیتنے کے لئے بعض ایسی باتیں بھی کہیں جن کا اگر ایران میں حالات نارمل ہوتے تو بلاشبہ خیر مقدم کیا جاتا۔ مگر چونکہ ایران میں سیاسی حالات ایک ایسے انتہائی موڑ پر پہنچ چکے ہیں جہاں بادشاہت کا مکمل خاتمہ اور قومی جمہوریت کی بحالی ایک اٹل حقیقت بن چکی ہے اس لئے ڈاکٹر بختیار کے اعلانات کو نشانہ خطا ہونے کا نام دیا جاسکتا ہے۔ بات شاہ، فوج اور امریکہ کے ہاتھوں سے نکل کر آیت اللہ خمینی اور نیشنل فرنٹ کے کریم سنجابی کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے۔ اصل سمجھوتہ وہی ہوگا جس میں آیت اللہ خمینی اور فرنٹ کے رہنما فریق کی حیثیت سے شامل ہوں گے۔

ایران ان دنوں افواہوں کا ملک بن گیا ہے کوئی افواہ جنگل

حضرت امام رضا کی بے حرمتی کے خلاف مشہد میں مظاہرے کا ایک منظر۔ مشین گنوں سے لیس ٹینک شاہراہوں کی ناکہ بندی کیے ہوئے ہیں۔ اس مظاہرے میں دس لاکھ افراد نے حصہ لیا۔

کی آگ کی طرح ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیل جاتی ہے" ایرانی فضائیہ نے افغانستان کی سرحد کے قریب ایک گاؤں پر بمباری کر کے صفایا کر دیا۔ گاؤں کے سارے ایرانی باشندے ہلاک ہو گئے۔ غلام رضا ازہری دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے تہران ائیرپورٹ پر ایک جٹ طیارہ شاہ کو لے جانے کے لئے تیار کھڑا ہے" تہران میں ایران کے ایک شہری نے ٹائم کے نمائندے سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ "آبادی کی اکثریت غیر یقینی صورتحال کا خاتمہ چاہتی ہے لیکن کسی قسم کی تبدیلی عوام کی امنگوں اور خواہشات کے مطابق ہی ہونی چاہیئے"۔

ایران سے باہر، ممالک کی نگاہیں ایران کے حالات پر لگی ہوئی ہیں۔ خاص طور پر وہ ممالک جو ایران سے تیل حاصل کرتے ہیں، تذبذب اور مخمصے میں گرفتار ہیں۔ ان کے نزدیک ایران کی اہمیت اس وجہ سے نہیں کہ وہ مشرق وسطےٰ میں تیل پیدا کرنے والا دوسرا سب سے بڑا ملک ہے بلکہ اس کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ خلیج فارس کے حساس علاقہ کا "چوکیدار" ہے۔ اور جہاں سے امریکہ اور اس کے چالیس فیصد اتحادی ممالک تیل حاصل کرتے ہیں امریکہ ایران کا ۸ فیصد خام تیل استعمال کرتا ہے۔ مغربی یورپی ممالک ۳۰ فیصد سے ۴۰ فیصد تیل حاصل کرتے ہیں۔ جنوبی افریقہ ۹۰ فیصد اور اسرائیل ۷۰ فیصد تیل حاصل کرتا ہے (یہ اعداد و شمار ویکلی ٹائم سے حاصل کئے گئے ہیں) ایران میں تیل کے کارکنوں کی ہڑتال سے تیل کی برآمدات رک گئی ہیں لیکن فی الحال امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک کی ضروریات سعودی عرب پوری کر رہا ہے۔ ایران کے موجودہ حالات کے سبب سعودی عرب نے تیل کی پیداوار کو سات ملین بیرل یومیہ سے بڑھا کر گیارہ ملین بیرل یومیہ کر دیا ہے۔ نیز گزشتہ دنوں متعدد تیل کمپنیوں اور ملکوں نے تیل کی قیمت میں اضافہ سے قبل بڑے پیمانے پر تیل کی خریداری کر کے ذخائر کر لئے ہیں۔ اس طرح ان ملکوں کا خیال ہے کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے تیل کے بحران سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ تیل کے ایک ماہر نے اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "یہ درست ہے کہ مغربی ممالک کچھ عرصہ کے لئے تیل کے بحران سے نمٹنے میں کامیاب ہو گئے ہیں مگر کب تک ہمیں بالآخر ایران کے حالات کا شکار ہونا پڑے گا۔ خاص طور پر اس وقت ہماری حالت قابل دید ہو گی جب ایران میں کوئی ترقی پسند اور امریکہ دشمن حکومت اقتدار میں آئے گی"۔

جنرل ازہری کی فوجی حکومت اور ننگی طاقت کے استعمال کی ناکامی کے بعد ایران میں امریکی حکمت عملی میں جو تبدیلی آگئی ہے اس کے نتیجے میں سول حکومت کا نسخہ دوبارہ آزمایا جا رہا ہے۔ ایران کے حالات سے متعلق امریکی ماہرین کا خیال ہے کہ امریکہ نے شاہ کے فاشی ہتھکنڈوں کی کھلی حمایت کر کے خود کو عوام کی نظروں میں معتوب اور مجرم بنا لیا ہے لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ فوج کو پیش منظر سے ہٹا کر ایسے سیاستدانوں کو آزمایا جائے جو امریکہ کے کٹر مخالفین میں شمار نہیں ہوتے اور کسی حد تک ایران میں امریکی مفادات کو ضروری سمجھتے ہیں چنانچہ تعلیم یافتہ قانون دان ڈاکٹر شاہ پور بختیار کو امریکہ کے نقطہ نظر اور حکمت عملی کی تبدیلی کے نتیجے میں سامنے لایا گیا ہے۔

ایران کے معاملات میں امریکہ کی گہری تشویش کی ایک وجہ وہ جدید قسم کے ہتھیار، آلات، حساس ریڈار سسٹم اور ترقی یافتہ ایف ۱۴ فائٹرز ہیں جو شاہ نے امریکہ سے خریدے ہیں۔ امریکی ماہرین کا خیال ہے کہ اگر ایران میں کوئی ناپسندیدہ تبدیلی ہوئی تو یہ جدید قسم کا سامان روس کے ہاتھ لگ سکتا ہے۔ بعض مبصرین یہ بھی کہتے ہیں کہ گزشتہ دنوں ایٹمی توانائی سے چلنے والے بحری بیڑے کانسٹیلیشن اور دیگر بیڑوں کو اسلحہ کے تحفظ کے لئے بھیجا گیا تھا جبکہ مبصرین کا خیال تھا کہ بحر ہند میں امریکی بحری بیڑوں کی روانگی ایران کی آگ کو خلیج کی عرب ریاستوں میں پھیلنے سے روکنے کے اقدامات کی ایک کڑی ہے۔ بہرحال خواہ کچھ بھی ہو یہ بات حقیقت ہے کہ امریکہ ایرانی عوام کا مجرم بن چکا ہے۔ ایران میں سیاسی تبدیلی کی نوعیت خواہ کچھ ہو۔ امریکی مفادات پر ضرب لگنے کا وقت قریب آگیا ہے۔

ادھر امریکی مفادات کے ترجمان اخبارات اور جرائد نے شاہ کی آمرانہ حکمت عملی پر کڑی نکتہ چینی شروع کر دی ہے جس کی وجہ سے ویت نام کے بعد امریکہ دوسری بار گالی بن چکا ہے مغربی جرائد نے اپنے حالیہ شمارہ میں ایران کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ . . . . اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایران

میں بڑے پیمانے پر موجودہ بے چینی کا اصل سبب شاہ کی آمرانہ پالیسیاں ہیں۔ اگر ذمہ دار حزب اختلاف کو کام کرنے کا موقع دیا جاتا تو یہ حالات پیدا نہ ہوتے۔ ان کی ایران کو جدید بنانے اور مصنوعی طور پر عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے کی بے حکمانہ کوششیں فضول اور رائیگاں ثابت ہوئیں۔ اگر عوام کو اجتماعات اور اظہار رائے کی آزادی دی جاتی تو خاموشی کا آتش فشاں اتنی طاقت سے نہ پھٹتا جس سے سب کچھ تباہ ہونے کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔

آغا شاہی نے استعفٰی نہیں دیا

وزارت خارجہ کے ایک ترجمان نے کہا ہے کہ اس خبر میں کوئی صداقت نہیں کہ مشیر امور خارجہ جناب آغا شاہی نے اپنے عہدے سے استعفٰی دے دیا ہے۔

بے نظیر بھٹو کا ہوم سیکرٹری پنجاب کے نام خط

ہماری جدوجہد کا پھول کھلے گا

ظلم ختم ہوگا آئینی حکومت قائم ہوگی

پنجاب کی انتظامیہ کی میرے خاندان کے ساتھ بے رحمی اور کینہ جوئی کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی

جس نے تمہیں سکھوں سے بچایا، اسے موت کی کوٹھری میں بند کر رکھا

سب جیل
اسلام آباد
یکم جنوری ۱۹۷۹ء

بنام
ہوم سیکرٹری
پنجاب ایڈمنسٹریشن
لاہور

بوساطت: جیل سپرنٹنڈنٹ، ڈسٹرکٹ جیل، راولپنڈی

حکمنامہ نمبر ۳-۱۶ ایچ-اسپیشل/۷۷ کے خلاف درخواست

ڈیر مسٹر ہوم سیکرٹری،

آپ کا میری نظر بندی کا گزشتہ غیر قانونی حکم ختم ہونے سے دو روز قبل، مجھے ۳۰ دسمبر ۱۹۷۸ء کو میری غیر قانونی نظر بندی میں ۲ جنوری ۱۹۷۹ء سے مزید دو ماہ کی توسیع کا حکمنامہ ملا۔

۲: میری گزشتہ نظر بندی کے حکم کے خلاف پنجاب ایڈمنسٹریشن کے نام میری اپیل کے نکات کے علاوہ میں مندرجہ ذیل نکات بیان کرنا چاہوں گی۔

۳: میری اپنی سوچ کے مطابق بھی صاف ظاہر ہے جو کہ پیشہ ورانہ اعتبار سے قانونی نہیں ہے کہ آپ نے اپنی سمجھ بوجھ کو نہ اپنے گزشتہ حکم کے دوران استعمال کیا نہ موجودہ حکم کے دوران، خواہ آپ شمسی کیلنڈر استعمال کریں خواہ اسلامی کیلنڈر، ۳ اکتوبر کو ختم ہونے والا ہفتہ یکم اکتوبر کو شروع ہوا تھا جب میں صوبہ سندھ میں تھی اور آپ کے دائرہ اختیار سے قطعی باہر تھی۔ لہذا آپ کے لئے اس میں عقل میں آنے والی قطعی کوئی بات نہیں ہے کہ آپ میری ۳ اکتوبر کو ختم ہونے والے ہفتے کی نام نہاد سرگرمیوں کا حوالہ دیں۔ آپ خود آگے چل کر دوسرے پیراگراف میں حکم جاری کرنے میں اپنی سمجھ میں الجھاؤ (کنفیوژن) کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میری ۲۴ ستمبر، ۲۵ ستمبر، ۲۶ ستمبر اور ۲۸ ستمبر کی تقریروں کے نتیجے میں امن وامان کا خطرہ بڑھ گیا تھا۔ اولاً، جہاں تک مجھے معلوم ہے، لوٹ مار اور نقصان کا ایک بھی واقعہ شہروں میں میری تقاریر کے دوران پیش نہیں آیا۔ دوئم اگر واقعات ہوئے بھی، جو کہ نہیں ہوئے، آپ ان کا میری تقریروں سے تعلق دکھانے میں ناکام رہے ہیں۔ سوئم، اور زیادہ اہم طور پر جس ہفتے کے دوران میری تقاریر ہوئی ہیں وہ ۲۹ ستمبر کو ختم ہوا جس تاریخ کو میں صوبہ سرحد میں تھی اور ایک بار پھر آپ کی ایڈمنسٹریشن کے چنگل سے باہر تھی۔ ہر تقریر جس کا آپ حوالے دیتے ہیں، آپ اقرار کرتے ہیں کہ ۲۹ ستمبر ۱۹۷۸ء سے قبل ہوئی تھی۔ ۲۹ ستمبر کو جمعہ تھا اور ایک اچھے مسلمان کی طرح، آپ کو علم ہونا چاہئے کہ ہفتہ جمعہ کے روز ختم اور شروع ہوتا ہے۔ اگر میں غلطی پر ہوں اور آپ عیسائی ہیں، تو پھر بھی ہفتہ بروز اتوار ختم ہوتا ہے جو یکم اکتوبر تھا لہذا آپ ۳ اکتوبر کو ختم ہونے والے ہفتے کے دوران ہونے والی تقریروں کر سے میں نتیجے پر کیسے پہنچے ..... جبکہ میں آپ کے دائرہ اختیار سے باہر تھی یہ بات کسی معقول ذہن کے لئے ناقابل فہم ہے۔ سرحد کے پہاڑوں پر برف کی طرح اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ میرے خلاف نظر بندی کا حکم جاری کرتے ہوئے عقل و فہم سے کام نہیں لیا گیا۔

۴: جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ایڈووکیٹ جنرل نے عدالت میں وہ مواد پیش کیا ہے جس کی بناء پر آپ نے نظر بندی کا حکم جاری کیا۔ یہ مجھے بھی مہیا کیا گیا ہے اور میں لاہور ہائی کورٹ میں پیش ہونے اور اس سرزمین کے ایک دیانتدار شہری کے خلاف آپ کے اقدامات کے شیطانی دو غلے پن کا بھانڈا پھوڑنے کے لئے ایک مدت سے موقعہ کی تلاش میں ہوں، جس نے آپ کی ایڈمنسٹریشن کے برعکس لاہور کی سڑکوں پر سکھوں کے ساتھ بھنگڑا رقص نہیں کیا اور نہ جن سنگھی لیڈر مسٹر واجپائی کے دوست ہونے کا اعلان کیا جس کے لئے بے حد ذاتی تکریم کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ کہانی کی ضوفشانی یہی ہے کہ انتظامیہ جو بے نظیر بھٹو کو حراست میں لیتی ہے وہ واجپائی کو ایک عظیم دوست کہتی ہے۔ ہم آپ کی ترجیحات سے واقف ہیں۔ لوگ آپ کی چال سے واقف ہیں لیکن فی الحال میں اپنے خلاف آپ کے کینہ جو عزائم کا صرف ایک ہی دستاویزی ثبوت دوں گی۔ ایڈووکیٹ جنرل کی فراہم کردہ ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی منسلک ہے

جس میں ان تقریروں میں سے ایک کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے جس کی بنا پر آپ نے مجھے ناجائز طور پر نظربند کرنا ضروری سمجھا۔ اس میں اعتراف کیا گیا ہے، مسٹر ہوم سیکرٹری! کہ میرے خلاف عدالت میں کامیاب کارروائی نہیں کی جا سکتی اس لئے انتظامی کارروائی کی جائے اور کیا یہی نہیں ہوا؟ یہ جانتے ہوئے کہ عدالتیں کام کے بوجھ سے دبی ہونے کے باعث فوری حل فراہم کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں، آپ نے مجھے تین ماہ تک غیر قانونی طور پر نظربند رکھا جس کا مظاہرہ خود آپ کی یہ ادنیٰ رپورٹ کر رہی ہے۔ افراد کو غیر قانونی طور پر نظربند کرنے کی صلاحیت سے حوصلہ پاکر، آپ نے میری نظربندی میں مزید تین ماہ کی توسیع کر دی۔ یقیناً آپ پُرامید ہیں کہ عدالتیں آئندہ تین ماہ میں کسی نتیجے پر پہنچنے کے قابل نہیں ہوں گی اور بلاشبہ اس وقت مجھے آپ کا ایک اور بددیانتی پر مبنی نظربندی کا حکمنامہ مل جائے گا۔

۵: میں آپ کے حکمنامہ کی ان نمایاں کمزوریوں اور آپ کے بددیانتی پر مبنی عزائم کا دستاویزی ثبوت اس توقع سے پیش کر رہی ہوں کہ آپ اتنے انسان ضرور ہوں گے کہ اپنی ان سنگین ناانصافی کو جان جائیں گے اور فوراً حکمنامہ منسوخ کر دیں گے۔

۶: پنجاب ایڈمنسٹریشن نے میرے اہل خاندان کو جس طرح بے رحمی اور کینہ جوئی سے پریشان کر رکھا ہے، اس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ پنجاب ایڈمنسٹریشن نے جو کچھ ہمارے ساتھ کیا ہے وہ بے سروسامان عوام کے خون، پسینے اور آنسوؤں میں لکھا ہے۔ آج میں بھی ان لاتعداد دوسرے حریت پسند شہریوں کی طرح آپ کا نشانہ بن گئی ہوں، جنہوں نے آپ کی دہشت گردی کی سنگین جھیلی ہے اس کے باوجود یہ دیکھ کر میں تسکین پاتی ہوں کہ جبکہ پنجاب انتظامیہ نے ظلم و تشدد اور ناانصافی کی مہم شروع کر رکھی ہے، میرے باپ کو، جس آدمی نے آپ کو سکھوں سے بچایا، موت کی کوٹھڑی میں رکھا ہے۔ قذافی اسٹیڈیم میں میری ماں کا لہو بہایا گیا، ملتان ائیرپورٹ پر مجھے گھسیٹا ہے، سب سے بڑی پارٹی کے تجربہ کار لیڈروں مثلاً شیخ رشید، شیخ رفیق، مسٹر فاروق لغاری، ڈاکٹر غلام حسین مسٹر ایس ایم مسعود اور لاتعداد دوسرے لیڈروں اور کارکنوں کو جیلوں میں بند کر رکھا ہے۔ وقت پوری تکمیل کے ساتھ ہماری جدوجہد کا پھول کھلتا دیکھے گا۔ مسٹر ہوم سیکرٹری مجھے آپ کا تازہ ترین حکمنامہ نئے سال کے دن ملا۔ میں ۱۹۷۹ء میں آپ کو اور آپ کی انتظامیہ کو، جو کچھ آپ نے ۱۹۷۸ء میں کیا ہے اس پر ہدیۂ تبریک پیش کرنے کا موقع حاصل کر سکتی ہوں۔ میں ایسا نہیں کروں گی کیونکہ اس قسم کی چالوں میں یہ نہایت معمولی بات ہے اس کی بجائے میں دہشت گردی اور ظلم و تشدد کے خاتمے، جناح کے تصور کردہ ایک آئینی حکومت کی طرف مراجعت، ایک عظیم اسلامی مملکت کی جس میں سوشلزم بے سروسامان لوگوں کو آسائش فراہم کرتا ہے۔ اور تباہی کے اس راستے کے خاتمے کی خواہش کروں گی جس پر آپ اور آپ کی انتظامیہ اس ملک کو بے دردی سے دھکیل رہے ہیں۔

(دستخط)

(بے نظیر بھٹو)

بے نظیر کی نظربندی کا توسیعی حکمنامہ

نمبر ۳-۱۶-ایچ-اسپیشل-۱/۷۷

حکومت پنجاب

ہوم ڈیپارٹمنٹ

مورخہ لاہور ۳۰-۱۲-۱۹۷۸ء

حکمنامہ

ہر گاہ کہ مس بے نظیر بھٹو بنت زیڈ۔ اے۔ بھٹو حال سکنہ اسلام آباد، رکن مرکزی ایگزیکیوٹو کمیٹی، پاکستان پیپلز پارٹی ۳ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو ختم ہونے والے ہفتے کے دوران، ایسی تقاریر کرتی رہی جو عوام کے تحفظ کے منافی تھیں اور جن سے عوام کو قانون شکنی پر اکسایا گیا تھا۔

۲: اور ہر گاہ کہ اس فضا کے نتیجے میں، جو اس کی لاہور میں ۲۴۔ ۲۵ ستمبر کی، سرگودھا میں ۲۶ ستمبر کی اور راولپنڈی میں ۲۸ ستمبر ۱۹۷۸ء کی تقاریر سے پیدا ہوئی، ایسے حالات پیدا ہوئے جن سے نجی اور سرکاری املاک کی توڑ پھوڑ ہوئی اور انہیں نقصان پہنچا اور جس سے نقص امن و امان پیدا ہوا۔

۳: اور ہر گاہ کہ مذکورہ بالا مس بے نظیر بھٹو کے کردار کے پیش نظر، جو اوپر بتایا گیا ہے، اب بھی پنجاب کے صوبے میں موجودہ کشیدہ سیاسی فضا کے پیش نظر، اس کا کسی پبلک مقام پر یا اجتماع میں آنے سے اس قسم کے حالات پیدا ہونے کا امکان ہے جو مندرجہ بالا پیراگراف ۲ میں ظاہر کئے گئے ہیں۔

۴: اور ہر گاہ کہ گورنر پنجاب مطمئن ہیں کہ جو ہدایات یہاں دی جا رہی ہیں، وہ مس بے نظیر بھٹو کو ہر اس اقدام سے باز رکھنے کے لئے ضروری ہیں جو بفاد عامہ اور امن عامہ کے منافی ہو۔

۵: اب، لہٰذا، گورنر پنجاب ویسٹ پاکستان مینٹیننس آف پبلک آرڈر آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۰ء کے سیکشن ۳ کے اختیارات کے تحت ہدایات دیتے ہیں کہ مذکورہ مس بے نظیر بھٹو مکان نمبر ۲۷۶/ای-۷، اسلام آباد کی چار دیواری میں جسے نوٹیفکیشن نمبر ۱ (آر ایس I رایم) ۲۲/۴، مورخہ ۳۱ جولائی ۱۹۷۸ء کے ذریعے پہلے ہی سب جیل قرار دیا گیا ہے۔ ۲-۱-۱۹۷۹ء سے مزید تین ماہ کے عرصے کے لئے نظربند رہے گی۔

۶: اس حکم کے اجراء کی وجوہات مندرجہ بالا پیراگرافوں، ۱، ۲، اور ۳ میں بتائی گئی ہیں اور پیراگراف ۵ کی ہدایات انسانی زندگی اور املاک کو خطرے سے بچانے اور بفاد عامہ کے لئے ہیں۔

مس بے نظیر بھٹو کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اسے اس حکم کے خلاف حکومت پنجاب کو درخواست دینے کا حق حاصل ہے۔ اس حکم کی ایک نقل اسے فراہم کی جائے گی۔

زیر دستخطی کے ہاتھ اور مہر سے ۳۰-۱۲-۱۹۷۸ء کو دیا گیا

دستخط

(ایس۔ کے۔ محمود)

سیکرٹری، حکومت پنجاب۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ۔

ظلم کی داستان

اسلام آباد

ذوالفقار حیدری

سفیروں کی کانفرنس بھٹو سلسلے کی کڑیاں

اسیر بھٹو کی ۵۱ ویں سالگرہ

بھٹو تاریخ ہے اسے ذرائع ابلاغ نے نہیں جدوجہد نے بنایا ہے

جنرل ضیاءالحق جب سریر آرائے مسند اقتدار ہوئے تو انہوں نے جن مختلف خواہشات کا برملا اعلان کیا ان میں ایک خواہش یہ بھی تھی کہ یوم استقلال ۱۴ اگست کی بجائے ۲۷ رمضان المبارک کو منایا جائے اور اس کے علاوہ بھی کوئی اور قومی دن ہو۔ انہوں نے یہ تجویز جب پہلی فوجی اور سول کابینہ کے سامنے رکھی تو کابینہ نے اسے مسترد کر دیا۔ جنرل ضیاءالحق نے اعلان کیا کہ وہ یہی تجاویز دوسری کابینہ کے سامنے بھی رکھیں گے شائد اسے مان لیا جائے چنانچہ موجودہ کابینہ نے جنرل صاحب کی یہ بات مان لی ہے اور فیصلہ کیا ہے متبادل قومی دن کے طور پر ۲۳ مارچ کو منایا جائے اس فیصلہ کے بعد جنرل ضیاءالحق صاحب کی صدارت اور مسٹر محمود ہارون کی قیادت میں ایک سات رکنی وزارتی کمیٹی یوم پاکستان منانے کے لئے قائم کر دی گئی ہے اس کے ساتھ ہی اشک شوئی کے لئے بارہ ربیع الاول بھی منانے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کر دی گئی ہے مگر زیادہ زور یوم پاکستان منانے والی کمیٹی کے

التزام پر ہے۔ فی الحال یہ دن نمونے کے طور پر منانے کی تجویز ہے پھر آہستہ آہستہ اسے مستقل کرنے کی تجویز ہے اور دلیل اس ضمن میں یہ ہے کہ بنگلہ دیش جس روز قائم ہوا اس دن کو قومی دن کے طور پر وہاں بھی نہیں منایا جاتا اور یہ سب سلسلہ اس لئے ہے کہ ۱۶ دسمبر پاکستان کی تاریخ کا تاریک باب ہے اس

لئے کیوں پاکستان کے لئے شرمندگی کا مستقل بندوبست کر دیا جائے۔ یہی صورتحال پاکستان اور بھارت کی بھی ہے۔ جماعت اسلامی بھارت کے معاملات میں بڑی سنجیدہ ہے اور اسی جماعت کی تجویز پر ۲۳ مارچ کو ہر سال قومی دن کے طور پر منایا جانے والا ہے تاکہ قیام پاکستان کے دن کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے یوں بھی وہ بطور قومی دن کوئی دن بھی منانے کے حق میں نہیں ہیں۔ یوم استقلال منانے کی وجہ سے بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت پر بھی بات کرنی پڑتی ہے جب کہ ۲۳ مارچ بطور قومی دن منانے سے ایسی کوئی صورت حال پیدا نہیں ہوگی اور علامہ اقبال کے حوالے سے ساری بات ہوگی۔ یہ تعصب جماعت اسلامی اور اس کے سرپرستوں کے دلوں میں بہت پہلے سے ہے انہیں اس بات کی سخت تکلیف ہوتی ہے کہ پنجاب سے کوئی قومی شخصیت کیوں نہیں ہے قائداعظم کا تعلق سندھ سے ہے اس کے باوجود کہ وہ قومی ہیرو کے طور پر شخصیت ہیں مگر ان کا نام لینے سے جماعت اور اس کے حواریوں کے منہ میں تلخی گھل جاتی ہے چنانچہ ۲۳ مارچ کو قومی دن کے طور پر منانے کا فیصلہ کر کے ایک تیر سے دو شکار کرنے کی تجویز ہے حکومت کے پیر و مرشد مودودی

محمود ہارون کی جگہ سیاستدان وزیر داخلہ لئے جانے کا امکان!

ہی ہیں اور اب چونکہ پیر و مرشد کی سوچ عملی طور پر نافذ ہو سکتی ہے اسلئے پوری طاقت تاریخ پاکستان کو نئے سرے سے مرتب کرنے پر دی جارہی ہے پیر مودودی کی شخصیت کو اب پاکستان بنانے والوں کی فہرست میں اس طرح ٹھونسا جارہا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے پیر مودودی کے مشورے پر مسلمانوں کے لئے اس خطۂ زمین کی کوشش کی تھی۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو بھی قومی لیڈر ہونے کے باوجود سندھ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے اس بار شدید تکلیف ہے کہ قوم کو دوسرا رہنما بھی پیدا ہوا تو سندھ سے کیوں ہوا۔ صوبہ پرستی کی یہ لعنت اور تعصب صرف جماعت اسلامی کا ہی خاصہ ہے اور وہ اس میں اتنے شدید ہیں کہ قومی تاریخ مسخ کرتے سے بھی باز نہیں آرہے ہے۔ جماعت اسلامی کے وزیر اطلاعات و نشریات مسٹر ایم اے فاروقی نے ریڈیو اور ٹی وی، سرکاری خبر رساں ایجنسیوں اور مقبوضہ اخبارات کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ جماعت اسلامی کے نظریات کا پرچار کریں ورنہ چھٹی کر دی جائے گی۔

جماعت اسلامی کے نیتاؤں کے مشورے پر ہی ریڈیو اور ٹی وی سے ایک نیا سلسلہ "بھٹو کے مظالم" شروع ہوا ہے یہ سلسلہ روزانہ رہے گا اور اس میں بھٹو کے دور میں ہونے والے مظالم کی تشہیر کی جائے گی اعلان کیا گیا کہ ۱۹۷۱ء کے انتخابات کے نتیجے میں ۵ جولائی ۱۹۷۷ء تک برسر اقتدار رہنے والی حکومت کے دور میں جو ظلم و ستم ہوا ہے اور جمہوریت کا جو مذاق اڑایا گیا ہے وہ اس ملک کی تاریخ کا تاریک باب ہے اس اعلان میں ایک سبق پوشیدہ ہے کہ دیکھو انتخابات کے ذریعے جو بھی حکومت برسر اقتدار آئے گی وہ ایسے کام کرے گی یہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت اس نئے گرام کی کیا ضرورت ہے اس کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ اب جب کہ سپریم کورٹ کے جج صاحبان چھٹیوں کے بعد فیصلہ دینے میں مصروف ہیں بھٹو کی شخصیت کا یہ پہلو بھی دکھایا جائے!۔ اس طرح دکھایا جائے کہ لوگ ریپیٹ کرہائے کریں۔ دوسرا مقصد اس پروگرام کے شروع کرنے کا یہ ہے کہ جو قرطاس ابیض حکومت نے بھٹو دور کے مظالم کے نام سے تیار کر رکھا ہے اس کی اس طرح تشہیر کر دی جائے کیونکہ بعد میں ٹی وی اور ریڈیو پر اسے صرف پڑھ دینے سے وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکے گا جواب وہ بہیمانہ انداز میں اسے فاش کرکے حاصل کر سکتے ہیں اور پھر اس پروگرام میں پیش ہونے والے افراد کی داستان کو زیب داستان کی طرح بڑھا کر جس طرح مقبوضہ اور زیر اثر اخبارات کے ذریعے شائع کرایا جارہا ہے اور پھر سرخیاں اور متن تک بتائے جارہے ہیں وہ اپنی جگہ ایک علیحدہ داستان ہے اور تیسرا مقصد اس سارے منصوبے کا یہ ہے کہ یہ ایک طرح انتخابی مہم کا ایک حصہ ہے اور مثبت نتائج حاصل کرنے کی طرف ایک مثبت قدم ہے۔ ان باتوں پر تو ہنسنے کو جی چاہتا ہے۔ اور اگر اسی طرح ابلاغ کے ذرائع کے سہارے کسی شخصیت کو بنایا اور بگاڑا جا سکتا تو مسٹر بھٹو کے دور میں خان عبدالولی خان کی شخصیت کو بگاڑنے کے لئے جو انداز اختیار کیا گیا اس سے ولی خان کی شخصیت بگڑ گئی اور ایوب خان نے اگر دس سال تک ابلاغ کے ذرائع کے ذریعے اپنی شخصیت کو بنایا تو کیا وہ واقعی صلاح الدین ایوبی کے پائے کی شخصیت تھے۔ شخصیات اپنے کارناموں سے بنتی

اور کرتوتوں سے بگڑتی ہیں۔

ہمارے ممدوح نے پاکستان کے تمام سفیروں کو اسلام آباد طلب کرکے ان سے حکومت کے نئے قرطاس ابیض اور سپریم کورٹ کے متوقع فیصلہ کے بارے میں تبادلہ خیال ہے انہیں یہ لازمی فرض سونپا ہے کہ وہ بھٹو کے امیج کو بگاڑنے میں اور حکومت کا موقف پیش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ اس سلسلے میں انہیں کہا گیا ہے کہ اخراجات کی پرواہ نہ کریں اس مد میں خصوصی رقم فراہم کر دی گئی ہے پاکستانی سفیروں سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ سپریم کورٹ سے بھٹو کی پھانسی کا حکم برقرار رہے تو وہ کسی بھی ملک سے بھٹو کی جان بخشی کی اپیل نہ آنے دیں یہی بات انکی کامیابی یا ناکامی کی دلیل ہو گی. تو انہوں نے کسی حد تک یہ ڈیوٹی پوری کی ہے۔ اگر بھٹو کی شخصیت اس قسم کی کوششوں سے بن اور بگڑ سکتی تو ایوب خان تو مارشل کی پوری اے دائی ڈیڈ میں پہلا شخص تھا اور مضبوط ترین ڈکٹیٹر تھا بھٹو کی شخصیت کو بگاڑنے کی اس کی ہر کوشش سے یہ شخصیت ابھرتی ہی رہی۔

یہ حسن اتفاق نہیں ہے قدرت اشارات و کنایات سے ہر دور کے حکمرانوں اور محکوموں کے بارے میں وضاحت کرتی رہتی ہے محکوموں کے بارے میں تو واضح ہے کہ وہ احمق ہرگز نہیں ہیں سادہ لوح ہیں اور اپنی سادگی میں ہر شخص کی باتوں کا اعتماد کر لیتے ہیں تو جتنی جلدی کسی پر اعتماد کرتے ہیں اتنی ہی جلدی اسے سمجھ لیتے ہیں۔ اگر وہ اجتماعی مفادات کے خلاف کام کرے تو اسے زندہ باد کے نعروں سے جیسے اسے سر پر بٹھاتے ہیں مردہ باد کے نعروں سے اسے اتار بھی دیتے ہیں آج کل جوتوں کی جتنی زیادہ ضرورت مسلم لیگ کو محسوس ہو رہی ہے اتنی زیادہ کبھی کسی جماعت کو محسوس نہیں ہوئی ہو گی مسلم لیگ کے اقتدار پسندوں کی دال پک چکی ہے صرف جوتیوں کی ضرورت ہے تاکہ اس دال کی تقسیم کا کام شروع کر دیا جائے

ہمارے دوست خان اعظم خان عبدالقیوم خان عرف ڈبل بیرل خان نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد اس طرح بنائی ہے کہ اقتدار پسند مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی میں سرحد اور بلوچستان کی اب کوئی نمائندگی نہیں رہ گئی۔ اس سونے پر سہاگہ یہ ہونے والا ہے کہ خان اعظم خان عبدالقیوم خان جن کی خفتہ صلاحیتیں اقتدار کے ایوان میں زیادہ چمکتی ہیں بہت جلد جنرل ضیاء الحق کی کابینہ میں شمولیت فرمانے والے ہیں نہ صرف خود بلکہ اپنے دو تین حواریوں کے ساتھ، اب وہ لباط بچھ گئی ہے جو انتخابات سے پہلے کے معاملات طے کرے گی جماعت اسلامی، پی ڈی پی، اور اقتدار پسند مسلم لیگ نے عموماً اور خان عبدالقیوم خان کی جماعت نے خصوصاً خان عبدالولی خان کو محب وطن کبھی نہیں سمجھا جس طرح مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے صحیح انداز فکر کے تحت اقتدار میں آتے ہی نیپ پر سے پابندی ہٹالی تھی. اور ولی خان کو رہا کرکے انہیں قومی سیاست میں شامل کیا تھا اسی طرح جنرل ضیاء الحق نے بھی نیک نیتی سے یہ کام تھا۔ اور جس طرح

(باقی صفحہ ۵۱ پر)

ایک سوال

پانچ وزیر جواب نہیں دے سکے

۲۳ مارچ کے بعد شاید ہم موجود نہ ہوں

پانچ وزیروں کی پریس کانفرنس کے سوال و جواب

وفاقی وزیر داخلہ مسٹر محمود ہارون نے ۱۲ جنوری کو تیسرے پہر راولپنڈی اسلام آباد ٹیلی ویژن کے اسٹوڈیو میں ایک اہم پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ اس پریس کانفرنس میں ان کے علاوہ چار دیگر وفاقی وزراء فدا محمد خان، خواجہ صفدر، پروفیسر خورشید احمد اور ارشد چودہری بھی موجود تھے۔ انہوں نے بھی اس پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ پریس کانفرنس کے آغاز پر اخبار نویسوں نے مسٹر محمود ہارون سے پوچھا تھا کہ کیا یہ ساری پریس کانفرنس ٹیلی کاسٹ ہوگی جس پر انہوں نے جواب دیا کہ یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ آپ کیوں شک کرتے ہیں۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اتنی زیادہ تعداد میں مختلف الخیال پارٹیوں کے وزراء نے پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ اس پریس کانفرنس میں صحافیوں نے جو سوالات کئے وزراء نے جو جوابات دیئے ان کی تفصیل یہ ہے۔

س : یوم پاکستان اس سے پہلے بھی ہر سال بڑے شاندار طریقے سے منایا جاتا رہا ہے۔ فوج کی سلامی بھی ہوتی رہی ہے سمپوزیم اور سیمینار بھی ہوتے تھے لیکن اس بار اس شدت سے یہ دن منانے کا فیصلہ کیوں کیا گیا۔ کیا آپ کوئی نئی سیاسی پارٹی بنا رہے ہیں؟

وزیر داخلہ : کوئی نئی سیاسی پارٹی نہیں بنائی جا رہی۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ قومی دن پوری شان و شوکت سے منایا جائے تاریخ پاکستان اور پاکستان کے نصب العین سے سب کو آگاہ کیا جائے اسے سمجھا جائے اور سمجھایا جائے۔ یہ تقریبات ساری سیاسی پارٹیوں کے لئے ہوں گی اور یہ اجتماع قطعی غیر سیاسی ہوگا۔

پروفیسر خورشید : پاکستان اسلامی نظام کے قیام کے لئے معرض وجود میں آیا ہے اور چونکہ اس سال اس منزل کی طرف پیش رفت ہو رہی ہے اس لئے یوم پاکستان کو اس تمام پس منظر میں اہمیت کے ساتھ منایا جانا مقصود ہے۔ اسلامی نظام قانون اسلامی نظامِ تعلیم اور نظام معیشت کے لئے پیش رفت ہوگی اس کے علاوہ قوم کو اور ان نوجوانوں کو جو تحریک پاکستان میں شریک نہیں تھے ان احساسات سے آگاہ کیا جا سکے جو تحریک پاکستان کے وقت موجود تھے۔

س : کیا اس وقت تک اسلامی حد تعزیرات نافذ ہو چکے ہوں گے؟

ج : انشاء اللہ

س : آپ تحریک پاکستان کے کارکنوں کی تنظیم سے کیوں تعاون حاصل نہیں کرتے یہ تنظیم ہر سال بڑے اہتمام سے یہ دن مناتی ہے

ج : ہم ان سے بھرپور تعاون کریں گے وہ ہمارے معاون ہیں۔

پروفیسر خورشید : اسلامی معاشی نظام یا قانون کسی حکم سے نافذ نہیں ہو سکتا۔ یہ طویل عرصہ تک مسلسل جد و جہد اور مختلف اقدامات کے ذریعہ معرض وجود میں آئے گا۔ ہم آہستہ آہستہ اقدار اسلامی کے مطابق قانون تیار کر رہے ہیں۔ اسلامی نظام صرف زکوٰۃ عشر نافذ کرنے اور سود ختم کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ پوری زندگی اس نظام کے تحت ڈھالنے کا نام ہے اور اس سلسلے میں کچھ وقت لگے گا اور ہم کچھ پیش قدمی کر رہے ہیں۔

اس مرحلے پر کئی اخبار نویس سوال کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ایک اخبار نویس نے سوال کیا کہ آپ یہ عمل کتنے عرصہ میں مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ آپنے کوئی منصوبہ یا اسکیم پیش نہیں کی آپ کا یہ تمام بیان مبہم ہے آپ بتایئے کہ کتنے عرصے میں یہ مقصد حاصل ہو جائے گا اور کیا اس مقصد کے حصول تک باقی کام پس پشت پڑے رہیں گے۔

اس مرحلے پر مسٹر محمود ہارون نے جماعتِ اسلامی کے وزیر پروفیسر خورشید کی مدد کی اور کہا کہ صدر پاکستان نے ۱۹۷۹ء کو انتخابات کا سال قرار دے دیا ہے۔ انتخاب اس سال ہوں گے اور اسلامی نظام کے لئے کام شروع ہو گیا ہے۔ ان کی طرف پہل ہو جائے گی۔ انتخاب میں جیتنے والوں کو ان ہی خطوط پر قدم آگے اٹھانا ہوگا۔

س : مسٹر محمود ہارون! کراچی کے ایک اخبار میں آپ کے حوالے سے یہ چھپا ہے کہ اس ملک میں انتخابات نہیں ہوں گے اور آپ بامر مجبوری وزارت میں شامل ہوئے ہیں؟

ج : اخبار میں مجھ سے منسوب کر کے الیکشن بات چھپی ہے میں نے نہیں کہا کہ انتخابات نہیں ہوں گے میں صدر کے وعدے اور پروگرام کو ویٹو نہیں کر سکتا اور وزارت قبول کرنے کے سلسلے میں میں مجبور نہیں تھا۔

س : اس سال یوم پاکستان منانے کے منصوبے پر لاکھوں کروڑوں روپے خرچ ہونگے۔ اس ملک کے بے شمار بچے اسکولوں میں کھلی چھتوں کے نیچے بیٹھتے ہیں۔ اسپتالوں میں علاج معالجوں کی سہولت نہیں ہے۔ یہ رقم وہاں خرچ کی جا سکتی ہے؟

ج : ابھی تو اخراجات کا تخمینہ نہیں لگا ہم نے ابھی پہلی میٹنگ میں ایک ڈھانچہ طے کیا ہے اس پروگرام پر عمل کرنے کے لئے مختلف کمیٹیاں بنیں گی۔ ہم سرمایہ وغیرہ فراہم کریں گے۔ آپ سے بھی صلاح مشورہ کیا جائے گا۔

س : یوم پاکستان (۲۳ مارچ) سے جمہوری اصولوں کا تصور ذہن میں آتا ہے کیا اس ۲۳ مارچ کو کچھ جمہوری اقدامات کی توقع ہے؟

ج : کوئی جواب نہیں۔

س : یوم پاکستان کی ان تقریبات میں کن افراد کو شریک کیا جائے گا؟

ج : ہم یہ دن پوری قوم کے تعاون سے منانا چاہتے ہیں اس میں کوئی سیاست نہیں ہوگی۔

س : پروگرام کے آغاز سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک بہت شاندار جشن ہوگا اور یہ صرف اسی سال کے لئے ہے یا آئندہ سال

کے بھی جاری رہے گا؟

پیچھے سے ایک اخبار نویس نے ضمنی سوال کیا کہ کیا یہ انتخابی مہم ہے؟

ج : یوم پاکستان منانے کا کام شروع ہو چکا ہے ۲۳ مارچ کو کلائمکس ہوگا اور پھر اس کے بعد شاید ہم موجود نہ ہوں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ قوم کو پاکستان کے قیام کے مقاصد معلوم ہوں اور وہ ان سے آگاہ رہیں۔

س : یوم پاکستان کے پروگرام پہلے بھی ہوتے تھے صرف اسی دفعہ اسے شاندار طریقے سے کیوں منایا جا رہا ہے؟

ج : یہ پروگرام یقیناً پہلے بھی ہوتے تھے لیکن ان میں وہ شان نہیں ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ دن پوری اہمیت سے منایا جائے۔

س : پشاور میں ایک سیاسی رہنما نے کہا ہے کہ اس وقت قومی اتحاد میں وہ جماعتیں شامل ہیں جو قیام پاکستان کی مخالف تھیں؟

فدا محمد خان : پاکستان قومی اتحاد میں مسلم لیگ کی موجودگی میں آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں۔

س : محمود ہارون صاحب! آپ پہلی مرتبہ اخبار نویسوں کے سامنے آئے ہیں ذرا امن عامہ کی صورتحال پہ بات ہو جائے آج بھی سیاسی قتل ہو رہے ہیں۔ مراد خان جمالی کو قتل کر دیا گیا۔ سانگھڑ میں سیاسی قتل ہوا اور . . . . .

ج : محمود ہارون : اس صورتحال پر ہم بعد میں بات کر لیں گے۔ باقی وفاقی وزراء نے محمود ہارون سے کہا کہ آپ اس مسئلے پر علیحدہ پریس کانفرنس کر لیں۔ اس اخبار نویس نے پوچھا میں اس سوال کو ایک اور پہلو سے کرتا ہوں کہ آپ ۲۳ مارچ کو امن عامہ کی صورتحال برقرار رکھ سکیں گے۔

محمود ہارون : ہم ۲۳ مارچ کو عوام کے تعاون سے امن عامہ کی صورتحال برقرار رکھیں گے ویسے خون کہاں نہیں ہوتے۔

س : کیا تمام کابینہ اس میں مصروف رہے گی؟

ج : ہم اس یوم کو شایان شان طریقے سے منانا چاہتے ہیں قوم بھولتی جا رہی ہے کہ پاکستان کیوں بنا اس کے عوامل اور محرکات کیا تھے؟

س : یوم پاکستان کی اہمیت واضح ہے۔ صرف آج یہ ضرورت کیوں محسوس کی جا رہی ہے کہ اسے شایان شان طریقے سے منایا جائے۔ یہ عام تاثر ہے کہ قوم کو اصل مقاصد سے بھٹکانے کے لئے اس طرح کے میلے اور ہلے گلے شروع کر دیئے جاتے ہیں؟

ج : یہ کوئی جشن نہیں ہے آپ اسے میلے کا نام دیتے ہیں اسلامی نظام اس وقت آئے گا جب آپ قوم کے ہر فرد میں جذبہ اور تحریک پیدا کر دیں۔ تعمیر کے لئے ہم میں محنت کرنے کی امنگ نہیں ہے ہم یہ امنگ پیدا کریں گے۔ نئی تبدیلی ہر سطح پہ لائی جائے گی یہ تقریبات قوم کو چند لوریاں سنانے کے لئے نہیں بلکہ بیدار کرنے کے لئے ہیں اس کے بعد ہی ان میں صحیح نفسیاتی کیفیات پیدا ہوں گی اور وہ تعمیر کی جدوجہد میں حصہ لیں گے۔ اسلامی نظام الفاظ کا گورکھ دھندہ نہیں ہے۔ تعزیر، معیشت اور تعلیم کا اسلامی نظام فوری طور پہ قائم نہیں ہو سکتا۔ تعزیری قوانین کے لئے بھی یہ جذبہ پیدا کرنا ہوگا کہ ہم خدا کے سامنے جوابدہ ہیں یہ ساری کوششیں ضیاع کے لئے نہیں ہیں۔ تحریک پیدا کرنے کے لئے ہیں۔

س : پاکستان قومی اتحاد نے اصلاح معاشرہ کی تحریک بھی چلائی تھی لیکن اس کا تو کوئی اثر نہیں ہوا؟

ج : آپ مایوس کیوں ہوتے ہیں آپ نے کتنا اثر قبول کیا ہے؟

س : سابقہ حکومت پہ آپ الزام لگاتے ہیں کہ وہ کوئی کام شروع کرنے سے پہلے جشن کی سی کیفیت پیدا کر دیتی تھی۔ وہی کام آپ بھی کر رہے ہیں کیا آپ نے کبھی اپنے حکومت کے اور عوام کے درمیان ایک تیسری قوت بیوروکریسی کا کردار دیکھا ہے جو حکومت کے وعدے بھی پورے نہیں ہونے دیتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ صدر مملکت نے عدالتوں کو اسلام سے متصادم قوانین کالعدم قرار دینے کا اختیار دینے کا اعلان کیا لیکن اس کا حکمنامہ بہت محدود انداز میں آیا۔

ج : ہمیں احساس ہے کہ یہ سوال کن لوگوں کی طرف سے کئے جا رہے ہیں۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ان مسائل پہ ہماری توجہ دلائی مجھے یقین ہے کہ اب رکاوٹ پیدا نہیں ہو سکے گی، ہم تعلیم، تلقین اور تحریک کے ذریعے کام کرنا چاہتے ہیں آئندہ اس حکمنامہ میں ترمیم کے لئے مالی اور عائلی قوانین پر بھی عدالتوں کو نظرثانی کے اختیارات حاصل ہو جائیں گے۔

س : آپ پاکستان اور یوم پاکستان کی بات تو کرتے ہیں لیکن بنیادی حقوق کیوں بحال نہیں کر دیتے؟

ج : بنیادی حقوق کب معطل ہوتے ہیں۔ یہ حقوق معطل نہیں ہیں دفعہ ۱۹۹ موجود ہے آپ کو ہم سے زیادہ علم ہونا چاہیئے۔

س : کچھ رٹ درخواستیں دائر کرنے پہ تو پابندی ہے؟

ج : ہر قسم کی رٹ دائر کی جا سکتی ہے۔ عدالتوں میں آئے دن رٹ درخواستیں دائر کی جا رہی ہیں۔

س : آپ یوم پاکستان منانے کی بات تو کرتے ہیں لیکن مسلم لیگ متحد نہیں ہے؟

ج : مسلم لیگ کے حالات واقعی اچھے نہیں ہیں۔

س : آپ میں تو خود اتحاد ہی نہیں ہے؟

ج : ہمیں امید تھی کہ ہم متحد ہو جائیں گے ممکن ہے کہ ۲۳ مارچ کو آپ کو یہ تحفہ دے دیں۔

پانچ وفاقی وزراء کی یہ ٹیلی ویژن پریس کانفرنس تقریباً بیس منٹ جاری رہی۔

”ہٹلر عظیم آدمی تھا اتحادیوں کے ہاتھوں اسکی شکست پر مجھے قلق ہے“

****

باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مارشل لاء کابینہ میں پیر پگاڑا مسلم لیگ کے نامزد وزیر تجارت جناب زاہد سرفراز گزشتہ دنوں یورپ کے دورے کے دوران مغربی جرمنی بھی گئے تھے تو جہاں انہوں نے دوسری باتوں مثلاً پاکستان کے لئے صنعتی پلانٹ وغیرہ کے بارے میں مذاکرات کئے اور محفلوں میں مختلف امور پر اپنی گراں قدر رائے کا اظہار کیا وہاں اپنی صدی کے سفاک ترین اور جابر ترین ڈکٹیٹر ہٹلر کو بھی خوشنما الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

جناب زاہد سرفراز نے مغربی جرمنی کی ایک تقریب میں ارشاد فرمایا کہ ہٹلر ایک عظیم آدمی تھا اور اس کے دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں کے ہاتھوں شکست کھانے کا گہرا قلق ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ سفارتی حلقوں نے وزیر موصوف کی اس گوہر افشانی کا سختی سے نوٹس لیا ہے اور حکومت پاکستان سے اس پر احتجاج بھی کیا ہے وزیر موصوف غالباً جوش خطابت میں یہ بھول گئے تھے کہ ہٹلر کو شکست سے دوچار کرنے والے اتحادیوں میں امریکہ بھی تھا اور اس میں قطعی شبہ نہیں ہے کہ دوسری جنگ عظیم میں محوریوں (جرمنی، اٹلی اور جاپان وغیرہ) کو امریکہ کی مدد اور اس کے جدید ترین ایٹمی ہتھیاروں کے باعث شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔

جناب زاہد سرفراز کو شاید علم نہیں ہے کہ موجودہ صدی کی تاریخ ہٹلر کو کن ناموں سے یاد کرتی ہے۔ خود پاکستان کے اخبارات جرائد اور تصنیفات میں نازی ازم کے انسانیت سوز مظالم جس کا بانی اور محرک ہٹلر تھا۔ اب تک پڑھنے والوں کے دلوں میں دہشت اور اس بدترین ڈکٹیٹر کے خلاف شدید نفرت اور غم و غصہ پیدا کر دیتے ہیں۔ ہٹلر دنیا کی تاریخ میں ہلاکو اور چنگیز خاں کے بعد بربریت اور سفاکی کی علامت بن گیا ہے۔

ایک ایسے شخص کو خراج تحسین پیش کرنے اور اس کی شکست پر اظہار افسوس کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کے یہ وزیر اگر تاریخ اور عالمی واقعات و امور سے ناواقف نہیں ہیں تو وہ کم از کم ایسا ذہن ضرور رکھتے ہیں

بحث | **جوہر میر**

ایک ہی شے کبھی حرام اور کبھی حلال کیوں ہو جاتی ہے

قسط - ۲

یہ درست نہیں کہ بزنجو نے اپنا نظریہ تبدیل نہیں کیا

دوسری بات جو انٹرویو کے ابتدائیے میں جناب بزنجو نے کہی تھی وہ یہ تھی" جناب ہم وقت کے ساتھ اپنا نظریہ تبدیل ... کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں ہم نے جو کچھ کہا تھا آج ہمارے مخالفین بھی اسے تسلیم کرتے ہیں"۔

کسی اصول سیاق وسباق کے بغیر یہ کہنا کہ ہم وقت کے ساتھ نظریات تبدیل نہیں کرتے بالکل ایک مجرّد سی بات ہے۔ سیاست کے سائنسی اصول اس قسم کی مجرّد بات کو رد کرتے ہیں خصوصاً جب نظریات کو وقت کے تناظر میں پیش کیا جائے، چونکہ وقت کوئی ساکت وجامد شے نہیں، سراپا حرکت ہے اور تبدیلیوں کا مظہر ہے اس لئے جو نظریات وقت کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہوں وہ زندہ نظریات نہیں کہلا سکتے سیاست کے سائنسی سیاق وسباق میں بنیادی چیز اصول ہوتے ہیں جو اٹل ہوتے ہیں اور تبدیلیوں کے آفاقی اور غیر متبدل عمل کے تابع ہوتے ہیں البتہ حکمت عملی وہ چیز ہے جو وقت کے ساتھ اور وقت کے بغیر کسی بھی حالت میں ضرورت کے مطابق تبدیل ہو سکتی ہے جناب بزنجو کا یہ کہنا کہ ہم وقت کے ساتھ اپنا نظریہ تبدیل نہیں کرتے ایک ایسا جملہ ہے جو جناب بزنجو اور ان کے ہمنواؤں کے کردار کی تردید کے ساتھ ساتھ ان کے نظریاتی دعوؤں کے بھی برعکس ہے چنانچہ بزنجو کا یہ دعویٰ مارکسی اصولوں کے بھی منافی ہے اور بوژوا ہٹ دھرمی کے بھی خلاف ہے۔

یہ بات سرے سے درست نہیں کہ جناب بزنجو کبھی اپنا نظریہ تبدیل نہیں کرتے رہے۔ جب وہ کانگریس میں تھے تو کیا وہ ہندوستانی قومیت کا نظریہ نہ رکھتے تھے؟ جناب عالی، دو قومی نظریے کے مد مقابل یہی تو وہ نظریہ تھا جو کانگریس کا اصل اصول تھا اور جو جناب بزنجو بھی تسلیم کرتے تھے، دو قومی نظریے کی مخالفت اور ایک قومی نظریئے کی حمایت سے چار قومیتوں کی بات تک نظریاتی تبدیلیوں کی منازل آپ خود شمار کر لیجئے،

۷۱ - ۱۹۷۰ء میں جب نیپ کا عملاً دائیں بازو کی جماعتوں کے ساتھ کوئی اتحاد نہ قائم ہوا تھا، نیپ، بقول جناب بزنجو سوشلزم کی حامی تھی اور کفر کے فتوؤں کی زد میں نظر آتی تھی۔ مگر سرحد اور بلوچستان میں جب اقتدار کے حصول کا مقصد سامنے آیا تو ایک ایسی جماعت کے ساتھ (سوشلزم سمیت) اتحاد کی ضرورت پڑ گئی جسے اب جناب بزنجو فرقہ وارانہ جماعتوں میں شمار کرتے ہیں خود ہی اندازہ کر لیجئے نظریات کی یہ تبدیلی کتنے مرحلوں سے گزری ہے، ۷۲ - ۱۹۷۱ء میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف جمہوریت کی بحالی اور مارشل لاء کے خاتمے کی سرد جنگ بھی ایک نظریہ تھی اور آج چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کی غیر مشروط حمایت بھی ایک نظریہ ہے،

جناب بزنجو ہی بتا سکتے ہیں کہ ایک ہی شے کبھی حرام اور کبھی حلال کیوں ہو جاتی ہے اور آگے چلئے پی این اے کا قیام اور اس اتحاد کے قیام میں این ڈی پی کا بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اور پھر حیدر آباد ٹریبونل توڑے جانے کے بعد اس اتحاد سے نکل جانا اور اتحاد کا فرقہ وارانہ جماعتوں کا گٹھ جوڑ قرار پایا گیا ہے؟ کیا یہ کسی "نظریاتی" تبدیلی کی نشاندہی نہیں ہے؟ (آگے چل کر نظریاتی تبدیلی کے اس نکتے پر مزید کہنے کی گنجائش ہے) ہمیں نہیں معلوم وہ کون سے نظریات ہیں جو بقول جناب بزنجو ابھی تک تبدیل نہیں ہوئے لفظ ماضی، کو اگر ماضی کے مکمل معنوں میں لیا جائے تو اس کی تشریح یوں ممکن ہے کہ جناب بزنجو ابھی تک اپنی جوانی کے عالم میں مسحور ہیں یعنی وہ ابھی تک نیشنل انڈین کانگریس کے سیاسی فلسفے کو نظریہ سمجھتے ہیں، اگر اس تشریح کو درست مانا جائے تو جناب بزنجو کا وہ پھبتی غلط ہو جاتا ہے جو انہوں نے قومیتوں کے حقوق اور تشخص کے بارے میں تازہ تازہ رقم فرمایا ہے۔ اگر ماضی سے مراد نیپ کا عہد ہے تو اس بارے میں جناب بزنجو اپنے اسی انٹرویو میں انکشاف کر چکے ہیں کہ " این ڈی پی، نیپ کے فوری پروگرام سے کافی آگے ہے"، کسی سیاسی نظریاتی جماعت کا تشخص اس کے پروگرام ہی سے ہوتا ہے سو اگر اس حوالے سے دیکھا جائے تو بھی بات بنتی نظر نہیں آتی کیونکہ این ڈی پی کے منشور اور پروگرام میں سوشلزم کی جگہ نظام مصطفےٰ نے لے لی ہے اور قومیتوں کے انفرادی حیثیت کے تعین کی جگہ مسلم قومیت کے اس فلسفے نے لے لی ہے جس کی نشاندہی جناب بزنجو کے ہم عصر دانشور اے کے بروہی نے اپنے جوابی مضمون میں کی تھی، ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ " ہم نے وقت کے ساتھ اپنے نظریات تبدیل نہیں کئے یہی وجہ ہے کہ ماضی میں ہم نے جو کچھ کہا تھا، آج ہمارے مخالفین بھی اسے تسلیم کرتے ہیں"

کا حقیقی مفہوم کیا ہے اور جناب بزنجو کہنا کیا چاہتے ہیں، اب آئیے ایک اور مہمل بات کی طرف، جو یہ ہے کہ جناب بزنجو نے اپنے اسی متذکرہ جملے کے آخر میں کہہ ڈالی ہے یعنی

" آج ہمارے مخالفین بھی اسے تسلیم کرتے ہیں"۔

اگر اس قابل فخر جملے کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو جماعت اسلامی کے ہم خیال ہیں تو ہم سب کے لئے یہ نئی بات ہے کہ جناب بزنجو کے " مخالفین" ان کے ہمنوا ہو گئے، گویا مولانا مودودی اور تمام فرقہ وارانہ جماعتیں جناب بزنجو کے نظریات کو درست تسلیم کرنے لگی ہیں، اگر اس فخریہ جملے کا مفہوم یہی ہے تو ہمنواؤں کے لئے " مخالفین" کا لفظ بھی استعمال نہیں کیا جانا چاہیئے تھا لیکن اگر مخالفین سے مراد کوئی اور جماعت یا مکتبہ فکر ہے تو اس کی نشاندہی ضروری تھی جو کہ نہیں کی گئی اور یہ بات تو بہر حال معلوم ہی ہو سکی کہ وہ کون سے نظریات ہیں جو ابھی تک نہیں بدلے اور جنہیں اب مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ پہیلی جناب بزنجو پر قرض رہی۔ ہماری ناقص رائے میں تو وہ نظریہ ایک ہی ہو سکتا ہے، پاکستان کو وجود میں لانے کا نظریہ، تحریک پاکستان اور قیام پاکستان، اگر بزنجو صاحب کا اشارہ پاکستان کے وجود کے خلاف کسی نظریئے سے ہے تو وہ ایک الگ مسئلہ ہے۔

انٹرویو کا پہلا سوال یہ تھا کہ " این ڈی پی قائم کرتے وقت دعویٰ کیا گیا تھا کہ وہ نیپ سے پیدا ہونے والے خلاء کو پر کر دے گی آپ کے خیال میں این ڈی پی اپنے اس دعوے میں کسی حد تک پورا اتری ہے؟ اور اس نے نیپ کے پروگرام کو کس حد تک آگے بڑھایا ہے؟" اس سوال کے جواب میں جناب بزنجو فرماتے ہیں " جہاں تک این ڈی پی کا تعلق ہے تو وہ اپنے پروگرام اور دستور کی رو سے نیپ کے خلاء کو پر کرنے سے کچھ زیادہ آگے کے مناظر میں داخل ہو گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نیپ کے پروگرام میں سوشلزم ایک منزل تھا مگر اس وقت نیپ کا فوری پروگرام سرمایہ دارانہ

جمہوریت کی تکمیل تھا۔ این ڈی پی کا فوری پروگرام قومی جمہوریت ہے جو نیپ کے فوری پروگرام سے کافی آگے ہے اور معروضی حالات کے عین مطابق ہے۔ میں سمجھتا ہوں این ڈی پی اپنے پروگرام کو لوگوں تک لے جا کر اس خلاء کو خوبصورتی سے پُر کر سکتی ہے جو ملکی سیاست میں نیپ پر پابندی لگنے سے پیدا ہوا۔"

سوال یہ تھا کہ کیا نیپ کا خلاء این ڈی پی نے پُر کیا ہے یا نہیں جیسا کہ دعویٰ کیا گیا تھا مختصراً بزنجو صاحب کہہ سکتے تھے کہ ہاں یا نہیں، اور بات آگے چل سکتی تھی مگر جناب بزنجو نے اصطلاحوں کے ہتھوڑے چلانے شروع کر دیئے اور یہ ثابت کرنا شروع کر دیا کہ نیپ تو کوئی شے ہی نہیں تھی اصل شے تو اب ہاتھ آئی ہے، تاثر یہی ملتا ہے اور اس کی ایک معقول وجہ بھی ہے جو جناب عبدالولی خان، بزنجو صاحب سے قبل بیان کر چکے ہیں، جناب ولی خان نے کہا تھا، اچھا ہوا نیپ سے ہماری جان چھوٹ گئی، یہ بات انہوں نے ان لوگوں کے حوالے سے کی تھی جو نیپ میں تو نظریاتی بنیادوں پر ان کے ساتھ تھے مگر این ڈی پی میں ان کا ساتھ نہ دے سکے تھے۔ عبدالولی خان کی منطق جناب بزنجو کو ذرا دیر سے سمجھ میں آئی تھی اسی لئے وہ این ڈی پی میں بڑی دیر سے شامل ہوئے تھے اس کے باوجود انہوں نے این ڈی پی کی اہمیت کو ولی خان سے بڑھ چڑھ کر بیان کرنے کی کوشش کی۔ مثال کے طور پر ان کی یہ بات کہ این ڈی پی پروگرام اور دستور کی رو سے نیپ کے خلاء کو پُر کرنے سے کچھ زیادہ آگے کے مناظرے میں داخل ہو گئی ہے پتہ نہیں بزنجو صاحب کی مناظرے میں داخل ہونے کی فلسفیانہ اصطلاح کا اصل مفہوم کیا ہے مگر یہ بات مناظرے کے اس سیدھے سادھے مفہوم کے مطابق درست معلوم ہوتی ہے کہ این ڈی پی نیپ سے زیادہ متنازعہ بن گئی ہے۔ انہوں نے چونکہ پروگرام کے حوالے سے بات کی ہے اس لئے مناسب ہے کہ پروگرام کے ہی حوالے سے ان کے ارشاد کا تجزیہ کیا جائے، فرماتے ہیں نیپ کے پروگرام کی منزل سوشلزم تھا جب کہ اس کا فوری مقصد بورژوا جمہوریت حاصل کرنا تھا یعنی سرمایہ دارانہ جمہوریت! جبکہ این ڈی پی کا فوری مقصد قومی جمہوریت کی تکمیل ہے جو کہ نیپ کے فوری پروگرام سے بہت آگے ہے۔ بزنجو صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ جس طرح نیپ کی منزل سوشلزم تھی این ڈی پی کی اصل منزل کونسی ہے۔ پروگرام اور دستور میں تو نظام مصطفےٰ کی منزل دکھائی گئی ہے ہمیں نہیں معلوم قومی جمہوریت اور نظام مصطفےٰ کون سے مثبت نتائج کا حامل ہوگا اور "قومی جمہوریت" کا جناب بزنجو کے ذہن میں اصل مفہوم کیا ہے؟

پوچھنے کی پہلی بات یہ ہے کہ جب نیپ کا اصل پروگرام سوشلزم اور فوری پروگرام سرمایہ دارانہ جمہوریت تھا تو نیپ کا عملی کردار کیا تھا، وہ سوشلزم کے متعین مفہوم کی کس قدر نمائندہ تھی اور سرمایہ دارانہ جمہوریت کی کتنی دلدادہ تھی۔ ہم نے بزرگوں اور استادوں سے یہی سن رکھا ہے کہ سرمایہ دارانہ جمہوریت کے حصول کے لئے جاگیرداری سماج کا خاتمہ ضروری ہوتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ سیاسی قیادت تو جاگیردار طبقے کے ہاتھ میں ہو اور ملک میں سرمایہ دارانہ جمہوریت قائم ہو جائے۔ اگر سیاسی استادوں کا متعین کردہ یہ اصول جائز اور معقول ہے تو اپنے سمجھنے کی خاطر ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ جس تضاد کا ہم نے حوالہ دیا ہے اس کی رو سے نیپ کا کردار سوشلزم اور سرمایہ دارانہ جمہوریت دونوں کے منافی تھا یا نہیں۔

بزنجو صاحب کا المیہ اس مور جیسا ہے جو اپنے بدصورت پاؤں دیکھ دیکھ کر روتا ہے۔ وہ سوشلزم کی بات بھی کرتے ہیں جمہوریت کی بات بھی کرتے ہیں اور قومیتوں کے تشخص کی بھی بات کرتے ہیں مگر مور کے پاؤں کی طرح صورتحال یہ ہے کہ نہ وہ اپنے طبقاتی کردار کے حوالے سے اپنے آپ کو سوشلسٹ ثابت کر سکتے ہیں نہ جمہوریت پسند دانشور اور نہ قومیتوں کا بہی خواہ، جناب بزنجو صاحب کی یہ بات تو اور بھی زیادہ دلچسپ (مضحکہ خیز زیادہ) ہے کہ این ڈی پی کا پروگرام زیادہ آگے ہے یعنی سرمایہ دارانہ جمہوریت کی بجائے انہوں نے قومی جمہوریت

قومی جمہوریت اور نظامِ مصطفیٰؐ کون سے مثبت نتائج کے حامل ہوں گے

کو اپنا لیا ہے۔ انہوں نے جس طرح نیپ کی منزل سوشلزم بتائی تھی اسی وضاحت سے یہ بتانا بھول گئے کہ این ڈی پی کی منزل کونسی ہے۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ انہوں نے یہ بات این ڈی پی کے دستور اور پروگرام کے حوالے سے کی ہے ورنہ ہم خواہ مخواہ قومی جمہوریت کے اس حقیقی مفہوم پر رک جاتے جو ترقی پسند دانشوروں نے قائم کر رکھا ہے اور جس کا تجربہ ان دنوں افغانستان میں ہو رہا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم جناب بزنجو این ڈی پی کے اس پروگرام کی بنیاد پر جس میں نظام مصطفےٰ کو منزل اور قومی جمہوریت کو (قومیتوں کے تشخص کی ضمانت کے بغیر بحوالہ انٹرویو شیر باز مزاری جو ٹی وی پر ہو چکا ہے) فوری پروگرام کو راستہ بتایا گیا ہے کون سا نیا تجربہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں سیاسی علم و دانش میں یقیناً یہ ایک نیا تجربہ ہوگا نیا اس لئے کہ یہی تجربہ جماعت اسلامی ایک مختلف عنوان سے کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جو تمام اہل علم کو معلوم ہے۔

صورت حال یہ ہے کہ پاکستان میں فوجی حکومت کے کھلم کھلا مقاصد اور افغانستان میں نور محمد ترہ کی کے قومی جمہوری انقلاب نے جناب بزنجو اور ان کے رفیقوں کی دانشمندی اور سیاسی بصیرت کو گڈمڈ کر کے رکھ دیا ہے۔ ایک فالج زدہ مریض کی طرح این ڈی پی کے دانشور بولتے نظر تو آتے ہیں مگر وہ کیا کہتے ہیں یہ صرف وہ خود ہی سمجھتے ہیں۔ فوجی حکومت کے "اسلامی مقاصد" کو وہ اس لئے رد نہیں کر سکتے کہ اسی حکومت نے حیدرآباد ٹریبونل توڑا ہے، سردار مینگل کا علاج کرایا ہے اور سرداروں کے حقوق بحال کئے ہیں مزید یہ کہ کوئی صاف صاف بات کرنا بھی چاہیں تو نہیں کہہ سکتے کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ ابھی تک موجود ہے کالعدم نہیں ہوا۔ دوسری مصیبت کابل نے پیدا کر رکھی ہے وہ یہ کہ بزنجو صاحب تمام عمر شیر آیا شیر کہتے رہے شیر نہ آیا، مگر اب وہاں ایک گڈریئے کا بیٹا شیر بن کر آ گیا ہے۔ بزنجو صاحب شاہ ظاہر شاہ اور سردار داؤد کے ساتھ کئی نسبتوں اور حوالوں سے چل سکتے تھے مگر نور محمد ترہ کی کے ساتھ قدم ملا کر چلنا ان کے اور ان کے سرداروں کے بس کی بات نہیں، پھر ستم بالائے ستم یہ کہ وہ غریب اور مفلوک الحال بلوچستان کے باشندے جو اب تک اچھے مستقبل کے لئے بزنجو صاحب کی اصطلاحوں پر گزارا کرتے چلے آ رہے ہیں کابل کے انقلاب کے بعد حقیقی خواب دیکھنے لگے ہیں۔ وہ اب بزنجو، مینگل، مری زندہ باد کے نعرے نہیں لگاتے۔ کابل میں قومی جمہوریت قائم کرنے والے گڈریئے کے بیٹے نور محمد ترہ کی کو اپنا ہیرو مانتے ہیں اور سڑکوں پر اسی کو زندہ باد کہتے ہیں اور گرفتار بھی ہو جاتے ہیں اور پھر این ڈی پی کو جو کہ بزنجو صاحب کے بقول نیپ سے بہت آگے "مناظرے" کے دور میں داخل ہو گئی ہے تردید بھی کرنی پڑتی ہے کہ "ترہ کی" کا نعرہ لگانے والے ہمارے آدمی نہیں تھے۔

اصل مصیبت ہی یہ ہے کہ "سردار" غوث بخش بزنجو اور ان کے رفقاء سیاست کی چکی کے دو پاٹوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایک پاٹ اسلامی مارشل لاء کا ہے دوسرا افغانستان کی قومی جمہوریت کا، بزنجو صاحب دونوں کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان میں اسلامی انقلاب کی داعی حکومت اور اس کی مشیر جماعتوں کو بھی اور بلوچستان کے ان نوجوانوں کو جو اب سرداروں کے دام میں نہیں آ رہے اور جو اب اپنے تجربے سے حاصل کئے ہوئے سیاسی شعور کو اپنا رہنما بنانے کے مدعی ہیں۔

(جاری ہے)

غینوٹ کی ڈائری

بھٹو کے فیصلے سے بہت سے فیصلے منسلک ہیں

پگارا نورانی اور اصغر خاں

نئی لابی بنا رہے ہیں

معلوم ہوا ہے کہ آجکل مختلف سرکاری دفاتر کے ہیڈ کوارٹر میں اوپر سے نئی ہدایات آئی ہوئی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ مختلف سرکاری شعبوں میں ۵۰ فیصد ملازمتوں پر آرمی کے لوگوں کو رکھا جائے معلوم ہوا ہے کہ یہ ہدایات اس وجہ سے جاری کی گئی ہیں کہ حکومت سول اداروں میں موجود بدعنوان اور ناپسندیدہ عناصر کی نشاندہی کر کے ان سے سرکاری اداروں کو پاک اور صاف کرنا چاہتی ہے اس آپریشن کی نگرانی فوج کے لوگ کریں گے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حکومت آجکل سرکاری اداروں میں "سوشلسٹوں" کی موجودگی سے بھی سخت پریشان ہے حکومت کو موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق حکومت کی پالیسیوں کی ناکامی کا سبب سرکاری اداروں میں سوشلسٹوں کی موجودگی ہے۔ خاص طور پر تعلیمی اداروں میں سوشلسٹوں کے گھس آنے سے حکومت سخت پریشان ہے حتیٰ کہ خود جنرل ضیاء الحق کو بھی اس بات کی سخت پریشانی لاحق ہے معلوم ہوا ہے کہ حال ہی میں قائد اعظم یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کرنے کیلئے انٹرویو ہوئے یہ انٹرویو بنفس نفیس خود جنرل ضیاء الحق صاحب نے لیئے، ان انٹرویوز میں پاکستان بھر سے مختلف

یونیورسٹیوں اور دوسرے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے تعلق رکھنے والے تجربہ کار تعلیمی ماہر پیش ہوئے معلوم ہوا ہے کہ جنرل ضیاء نے ان انٹرویوز میں پیش ہونے والے امیدواروں سے جو سوالات کیئے ان میں دو سوالات

مشترک تھے کہ یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں سوشلسٹ کیسے گھس آئے اور ان کو ان اداروں سے کیسے نکالا جائے اس طرح خود جنرل صاحب نے اس سلسلے میں سروے کیا ہے اب سرکاری سطح پر "سوشلسٹوں" کو سرکاری اداروں اور تعلیمی اداروں سے الگ کرنے کے لئے قابل عمل پلان بنائے جا رہے ہیں مگر معلوم ہوا ہے کہ ان پلانوں پر عملدرآمد بھٹو کا فیصلہ ہونے کے بعد ہوگا۔

بھٹو کے بارے میں سپریم کورٹ اپنے فیصلے کا اعلان کب کرتی ہے اس کا ابھی کوئی اعلان نہیں کیا گیا ہے اس وجہ سے جب تک فیصلہ سامنے نہیں آتا تب تک کچھ نہیں کیا جا سکتا"۔ بہرحال لوگ پھر بھی نہیں مانتے۔ اندازے ہوتے ہیں شرطیں لگائی جا رہی ہیں آجکل، خاص طور پر کچھ دن پہلے تک تمام مقام صدر اور چیف جسٹس جناب انوار الحق کی ایک تقریر اور ٹیلیویژن سے "ظلم کی داستان" کے نام سے بھٹو کے خلاف مہم کا خوب چرچا ہے لوگ کہتے ہیں "جی یہ سب سمت نما ہیں ہم نہیں سمجھتے یہ سمت نما کیا بلا ہوتی ہے کچھ حضرات تو میز پر مکے مار مار کر کہتے ہیں کہ "جی پتنگ تو بس کٹ چکی ہے، بات فقط پتنگ کے نظروں سے اوجھل ہونے کی ہے" جتنے منہ اتنی باتیں، اب کسی کی کون کیا سنے، باخبر حلقے سپریم کورٹ میں محمد احمد خان کے مقدمے سلسلے میں ذوالفقار علی بھٹو کی اپیل کی کاروائی مکمل ہونے کے بعد اسلام آباد میں کور کمانڈرز

اور سینیئر آرمی آفیسرز کے اجلاس کو بڑی اہمیت دے رہے ہیں جو ضرورت سے زیادہ لمبا ہو گیا تھا ان حلقوں کے مطابق اس اجلاس میں کئی فیصلے اہم ہو چکے ہیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے اسلام آباد میں ریڈیو اور ٹی وی کے اعلیٰ حکام کا ایک اجلاس بھی ہوا ہے

جس میں ایک جامع حکمت عملی تیار کی گئی ہے کہ بھٹو کے مقدمے میں سپریم کورٹ کے فیصلے کی کوریج کس طریقے سے کی جائیگی۔ ان ذرائع کے مطابق اس حکمت عملی میں طے کیا گیا ہے کہ پہلے پندرہ دنوں تک کس زاویے سے اس کے بعد کس زاویے سے اس کے بعد بتدریج کس زاویے سے فیصلے کو پیش کیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ایک بار پھر ملک کے مختلف حصوں میں پی پی کے کارکنوں کی گرفتاریاں بھی پھر شروع ہو گئی ہیں اب تو وقت ہی بتائے گا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے مگر جماعت اسلامی والے نہیں

سچ نما

حاجی عدیل

مانتے کہتے ہیں کہ ہمیں سب پتہ ہے کہ کیا ہوگا. جماعت کے قریبی حلقوں سے معلوم ہوا ہے کہ جماعت نے اپنی ایسی کئی ٹیمیں تیار کر رکھی ہیں جو سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد شہروں میں جلوس نکال کر حکومت پر دباؤ ڈالیں گی کہ بھٹو کو پھانسی دینے والے فیصلے پر عملدرآمد کیا جائے تاکہ بین الاقوامی دباؤ کو رد کیا جا سکے۔

آجکل تو ظہور الحسن بھوپالی بھی جی ایچ کیو کی بات کرتے لگے بھوپالی نے کچھ دنوں پہلے پریس کلب میں ایک عدد اخباری کانفرنس سے خطاب کیا. انکی بات کی ہر تان "دوسرے" حلقوں پر آکر ٹوٹتی تھی کہنے لگے مولانا نورانی اور ہم جنرل ضیاء صاحب سے ملنے اسلام آباد گئے مگر بعد میں اعلیٰ سول اور دوسرے حلقوں سے بھی ملے پھر کہنے لگے کہ اگر مارچ سے پہلے جنرل ضیاء نے جون میں انتخابات کی تاریخ کا اعلان نہیں کیا تو "دوسرے حلقوں" کا بھی ان پر دباؤ بڑھ جائے گا. آخر ایک اخباری نمائندے سے نہیں رہا گیا. اور پوچھ بیٹھا کہ کیا دوسرے حلقوں سے آپ کی مراد جی ایچ کیو سے ہے تو ایسا لگا کہ بھوپالی اس سوال کا انتظار ہی کر رہے تھے اور ہنس کر کہنے لگے یار مجھ سے یہ نہ کہلوا دو تو اچھا ہی ہے بعد میں چائے پارٹی پر بھوپالی کے ایک ساتھی نے ہمیں کان میں کہا کہ جنرل صاحب کی میعاد مارچ میں ختم ہو رہی ہے اور کچھ حلقے نہیں چاہتے کہ جنرل صاحب مارچ کے بعد توسیع کریں. اس وجہ سے وہ پاگارا نورانی اور اصغر خان کے ذریعے دباؤ ڈال رہے ہیں

باخبر ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان دوسرے حلقوں کا اصل بندہ اصغر خان ہے جبکہ پیر پاگارا اور مولانا نورانی تو وقتی طور پر استعمال کیے جا رہے ہیں رابطہ تو این ڈی پی سے بھی قائم کیا گیا تھا جو پاگارا کہتے رہے تھے کہ ایک نیا اتحاد بنانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں تو یہ کوئی ایسی ویسی بات نہیں دوسرے حلقوں کی طرف سے یہ کوششیں تھیں اور اب بھی ہیں مگر این ڈی پی اس کے شاہینوں کی طرف سے سخت مؤقف اختیار کرنے کی وجہ سے آگے نہ آسکی. معلوم ہوا ہے کہ ولی خان اور بیگم ولی خان نے اس سلسلے میں لابی تیار کرنا شروع کر دی تھی مگر ان کو منہ کی کھانی پڑی معلوم ہوا ہے کہ ولی خان کو اس قسم کی آفر گورنر سرحد کی طرف سے کی گئی تھی۔

**

ظالموں کو مظلوموں کی صف میں کھڑا کرنے کا ہنر

کتے بھونکتے رہتے ہیں، کارواں چلتا رہتا ہے

انسداد بیرحمی حیوانات کی بات ہو تو اس پر دلجمعی، مستقل مزاجی اور بغیر کسی کی پرواہ کیے ہوئے اظہار خیال کیا جا سکتا ہے اور ہر حکومت یعنی آمریت کی ڈنڈا حکومت اور جمہوریت کی مہربان حکومت سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ بے زبان جانوروں پر تشدد کرنا، انہیں ان کی بھوک سے کم چارہ دینا اور جب وہ بیمار ہو جائیں تو کاٹ کر کھانا انتہائی ناانصافی اور سراسر ظلم ہے۔ اس ناانصافی اور مظالم کا فوری تدارک ہونا چاہیئے۔

مگر صاحبو!

یہاں تو معاملہ انسانوں کا — بازبانوں کا — یعنی فطرت کی مخلوقِ اشرف کا ہے۔ اس مسئلہ پر زبان کھولنا — احتجاج کرنا — اور مطالبہ کرنا آمرانہ طرز حکومت میں ممکن ہی نہیں اور اگر کسی اللہ کے نیک بندے نے جراتِ رندانہ کا مظاہرہ کر دیا تو پھر دوسروں پر کیئے جانے والے مظالم اس پر بھی روا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ ظلم سہہ کر ظالم کے خلاف آواز اٹھانے سے محروم ہو جاتا ہے۔

تو ہمارے نیک دل قارئین

ٹی وی اور ریڈیو والے چونکہ آج ہونے والے مظالم کے خلاف کچھ کہنے سننے کے قابل نہیں اس لئے وہ ماضی میں ہونے والے مفروضہ مظالم کی داستانیں سنا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہو گئے ہیں۔ اور اس سلسلے میں ظالموں کو مظلوموں کی لائن میں کھڑا کرنے کے ہنر کا بھی مظاہرہ کر رہے ہیں۔ گزشتہ دنوں ٹی وی کی کھمبا نوچنے والی بلیوں نے کل کے ظالم اور آج کے مظلوم افتخار تاری پر ہونے والے مظالم کی داستان سنائی۔ جب یہ داستان سنائی جا رہی تھی تو بار بار جماعت اسلامی کے ڈمی امیر مولانا طفیل کا چہرہ ہماری آنکھوں میں گھوم رہا تھا۔ اور دماغ میں "امیر محترم" کی ماضی میں سنائی ہوئی داستان اور شورش کاشمیری کے اداریے کے الفاظ گونج رہے تھے. کاش جماعت کے ڈمی امیر اور اصلی امیر مودودی بھی ہماری ہی طرح محسوس کر رہے ہوں اور وہ خود پر ہونے والے مظالم کی داستان سنانے ٹی وی پر آنے کیلئے پر تول رہے ہوں تاکہ ایک ظالم کے ظلم کی داستان خود سنا کر اپنے فرض منصبی سے سبکدوش ہو جائیں۔

صاحبو!

کہتے ہیں کچھ تو عقل کے اندھے ہوتے ہیں اور کچھ آنکھوں کے اندھے، لیکن ٹی وی اور ریڈیو کے تنخواہ دار صالحین عقل سے پیدل اور ساون کے اندھے ہیں۔ جبھی تو انہیں حال میں ہونیوالے مظالم کی دیوار کے پیچھے ماضی میں ہونے والے مفروضہ مظالم ہرے ہرے نظر آ رہے ہیں۔ ورنہ کون نہیں دیکھ اور سن رہا ہے کہ آج

* قید و بند کے در وا ہیں۔
* دید و دل خوفزدہ ہیں۔
* آوازوں پر سنگینوں کے پہرے ہیں۔
* آزادیٔ اظہار پابجولاں اور آمریت رقص کناں ہے۔
* حصول انصاف انسانوں کی بس سے باہر ہے۔
* جھوٹے مقدمات پر جوبن آیا ہوا ہے۔
* جمہوریت دیوانے کا خواب بنی ہوئی ہے۔
* جرائم کا بول بالا ہو رہا ہے۔
* جھوٹ حاکم اور سچ محکوم ہے۔
* انسانی حقوق غصب کرنے کا عمل تیز سے تیز تر ہے۔
* مہنگائی اور چور بازاری نے سارے آسمانی حدود توڑ ڈالا ہے
* بیروزگاری پر بہار آئی ہوئی ہے۔
* انسانوں پر کوڑے برس رہے ہیں۔

* مادرِ وطن بے چادر اور چہار دیواری سسک رہی ہے۔
* اور وطن کے نام نہاد رکھوالے بانس پہ چڑھتے اتنے میں لگے ہوتے ہیں ـــ نٹوں کی طرح کرتب دکھاتے جا رہے ہیں۔

ہاں ـــ ہاں قارئین کرام سیاست اسی کا نام ہے۔
مگر ہم کیا کریں ایسی سیاست ہمیں راس نہیں آتی چونکہ ہم عوام میں سے ایک ہیں لحاظ عوام کو بھی ایسی سیاست راس نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ عوام ہماری طرح اس کے ساتھ نہیں جو جھوٹ بولتا ہے ـــ مکار ہے ـــ اسلام کو اپنے مفادات کے مسادی کرنے کے چکر میں ہے ـــ آمریت کے راستے جمہوریت لانے کے مرض میں مبتلا ہے۔ ظالم کی گود میں بیٹھ کر مظلوموں کی دوستی کا دم بھرتا ہے ـــ اور جسے آج ہونے والے گھناؤنے مظالم نظر ہی نہیں آتے یا وہ خود مظالم توڑنے میں حصہ بٹا رہا ہو ـــ جو اپنے گناہوں کا کفارہ دوسرے کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال کر ادا کرنے کی سازشوں میں مصروف ہو ـــ اور جو چور دروازے سے کرسیِ اقتدار پر براجمان ہوا ہو۔

نوکر شاہی کے کرتوتوں کا خراج اگر سیاست والوں سے وصول کرنے کے سلسلے کا ٹی وی والوں نے آغاز کر ہی دیا ہے تو پھر پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں کے سربراہ اس کی زد میں آ سکتے ہیں اور تو اور موجود فوجی حکومت کا کوئی فرد بھی ظالموں کی فہرست سے اپنا نام نکالنے کے قابل ہی نہیں رہتا۔ کیوں کہ پولیس جو کچھ کر رہی ہے وہ ٹی وی والوں کے حساب سے لازمی طور پر سربراہ حکومت کے کھاتے میں جائے گا۔ اور ہماری پولیس کے عبرتناک اور حیرت انگیز کارناموں سے عوام اور حکام بالا یکساں طور پر واقف ہیں اور طرفہ تماشہ یہ کہ پولیس کے معاملے میں عوام کی طرح حکام بالا بھی بے بس ہی ہوتے ہیں۔

صاحبو!
بات انسدادِ بیرحمیٔ حیوانات کی تھی، انسدادِ بیرحمیٔ انسانیت کی نہیں۔ اس لئے انسانیت پر مظالم روا رکھنے والوں کی پردہ پوشی صالحین مقروضہ مظالم کی داستانوں کے سہارے کرتے رہیں، ہمیں کیا۔ آپ نے یہ مثال تو سن ہی رکھی ہو گی کہ
کتے بھونکتے رہتے ہیں، کارواں چلتا رہتا ہے۔

**

نیشنل پروگریسو پارٹی کے قائم مقام سیکرٹری جنرل سے انٹرویو

محمد نواز خلجی

پاکستان سرمایہ داروں جاگیرداروں اور صنعتکاروں کی کالونی ہے

ہمارا ہر بچہ تین سو روپے کا مقروض پیدا ہوتا ہے

محمد صالح بلو نیشنل پروگریسو پارٹی کے مرکزی جوائنٹ سکریٹری ہیں۔ پارٹی کے جنرل سکریٹری افراسیاب خٹک ان دنوں مالاکنڈ سازش کیس میں پسِ دیوارِ زنداں ہیں لہٰذا آج کل وہ جنرل سکریٹری کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔ محمد صالح بلو نواب شاہ کے رہنے والے ہیں صحافیوں کی حالیہ جدوجہد میں بھرپور حصّہ لیا اور صحافیوں کی حمایت میں حیدرآباد سے گرفتاری پیش کی۔ مارشل لاء کورٹ نے انہیں ایک سال قید سخت اور کوڑوں کی سزا دی۔ حال ہی میں حیدرآباد سے چھ ماہ قید کی سزا بھگت کر آزاد ہوئے ہیں۔ واضح رہے انہوں نے صحافیوں کے مطالبات کے حق میں ایکشن کمیٹی کی ہدایت پر بھوک ہڑتال بھی کی تھی۔ ان کا انٹرویو قارئین کی نذر ہے۔

س: پاکستان کی موجودہ سیاسی و معاشی صورتحال کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: پاکستان کی سیاسی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں سب سے پہلے ان حالات کا جائزہ لینا ہوگا جن حالات کے باعث پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ اس ضمن میں یہ بات ہمیں ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ تقسیم برّصغیر کے بعد جو علاقے پاکستان کے حصّے میں آئے وہ پوری طرح زرعی علاقے تھے۔ ان علاقوں میں صنعت برائے نام تھی۔ پاکستان کا قیام اصل میں ان سرمایہ داروں کی جیت تھی جو ہندوستانی صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کا صنعتی اور تجارتی میدان میں مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے پاکستان کی شکل میں ایک علیحدہ مارکیٹ حاصل کی جسے اگر سرمایہ داروں، جاگیرداروں، صنعت کاروں کی کالونی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ لہٰذا پاکستان کے

ان کی دُمیں ایک دوسرے سے بندھی ہوئی ہیں

جماعت اسلامی، موجودہ حکومت میں شامل تمام پارٹیوں میں سب سے مضبوط اور با اختیار سمجھی جاتی ہے اس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ مارشل لاء کے زیر سایہ سول کابینہ قومی اتحاد کی نہیں جماعت اسلامی کی ہے۔ دوسرے نمبر پر مسلم لیگ اور تیسرے نمبر پر جمعیت علمائے اسلام اور پی ڈی پی کے اکا دکا وزراء آتے ہیں۔ جماعتِ اسلامی کے سوا باقی جماعتوں کے وزراء متعدد موقعوں پر اپنی بے اختیاری اور بے چارگی کا اظہار کر چکے ہیں۔ تاہم وزارت اس وجہ سے نہیں چھوڑتے کہ ان کی دُمیں ایک دوسرے سے بندھی ہوئی ہیں۔ دوئم بڑی منتوں اور گڑگڑاہٹوں کے بعد انہیں چور دروازے سے وزارتیں نصیب ہوئی ہیں الیکشن میں جماعتِ اسلامی سمیت ان وزراء کی کامیابی تو کجا ان کی ضمانتیں بھی ضبط ہو جائیں گی۔

گزشتہ دنوں سول کابینہ کی سب سے با اختیار جماعت اسلامی کی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ہوا جس کی قرار دادوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ جماعت بگڑتے ہوئے حالات سے پریشان اور خوفزدہ ہے۔ وہ بیک وقت اقتدار اور اختلاف دونوں کشتیوں میں سوار رہنا چاہتی ہے تاکہ اگر کل حالات قابو سے باہر ہو جائیں تو وہ دامن جھاڑ کر نکل آئے۔ اور اپنی منافقانہ روش کا مظاہرہ کرتے ہوئے دعویٰ کر سکے کہ "ہم نہ کہتے تھے"۔

قرار دادوں میں اشیاء کی مہنگائی، قیمتوں میں عدم استحکام پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی سے عوام کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے لہٰذا پرائس کنٹرول کمیشن کو دوبارہ بحال کیا جائے۔

کہتے ہیں جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ ابھی کچھ دنوں پہلے جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد نے ٹیلی ویژن کے ایک انٹرویو میں بڑی ڈھٹائی سے دعویٰ کیا تھا کہ سول کابینہ بننے کے بعد مہنگائی ختم ہو گئی ہے۔ قیمتوں میں استحکام پیدا ہو گیا ہے اور بازار میں ہر چیز سرکاری نرخ پر دستیاب ہے۔

یہاں سوال۔ پیدا ہوتا ہے کہ کس کی باتوں پر یقین کیا جائے امیر جماعت اسلامی میاں طفیل پر یا مجلس شوریٰ پر۔ جھوٹ کون بول رہا ہے میاں طفیل یا مجلسِ شوریٰ کے ارکان۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ جھوٹ اور منافقت کی ستیا زیادہ عرصہ نہیں چلتی اور کذابوں کے چہرے ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔

نام سے قائم ہونے والے ملک کے جاگیردار جو کہ اس وقت اس خطہ کی سب سے بڑی سیاسی و معاشی طاقت تھی، نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ دوسری طرف سرمایہ دار اور صنعت کار نے جاگیردار کے ساتھ سازباز کر کے لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ان دونوں عناصر نے اس ملک کے غریب عوام کا اسلام اور جمہوریت کے نام پر دل کھول کر استحصال کیا اور جی بھر کر انہیں دونوں ہاتھوں سے لوٹا اور یہ لوٹ مار کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ اس ملک کی یہ بدقسمتی ہے کہ اس ملک کا ہر آمر سرمایہ دار اور صنعت کار کے گٹھ جوڑ کے باعث اقتدار میں آیا اور اس آمر نے جمہوریت کو بدنام کرنے کے لئے جمہوریت کا نعرہ بلند کیا لیکن درحقیقت ہر آمر نے استحصالی قوتوں کی سرپرستی کی اور انہیں لوٹ مار کے پورے مواقع فراہم کئے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی پوری تاریخ میں ایک بھی مزدوروں کسانوں کا نمائندہ اسمبلی تک نہیں پہنچا جب کہ ملک کی ۸۰ فیصد آبادی کسانوں پر مشتمل ہے۔ پاکستان میں جمہوریت نہ ہونے کے باعث سرمایہ دار اور جاگیردار وڈیرے اسمبلیوں تک پہنچتے رہے۔ حکمرانوں نے مزدوروں کسانوں کے حقوق کی بات کرنے کی بجائے اپنے اپنے طبقوں کی بات اور مفادات کے تحفظ کے لئے قوانین بنائے۔ اور یہی قوانین آج بھی ہمارے ملک میں نافذ ہیں جو سراسر اس ملک کے غریب کسانوں اور مزدوروں کے خلاف ہیں جو کہ اس خطہ کی اکثریت ہیں۔ اس ملک کے سرمایہ دار اور جاگیردار نے اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے امریکی سامراج سے گٹھ جوڑ کر کے عالمی سطح پر اس کی آشیرباد حاصل کی تاکہ ان کے غیر قانونی، غیر انسانی و غیر اخلاقی اقدامات کے خلاف آواز بلند ہو تو امریکی سامراج ان کی مدد کر سکے لہٰذا آج پاکستان پر امریکی سامراج کے دلال اقتصادی، معاشی اور سیاسی طور پر قابض ہیں جو امریکی مفادات کے تحفظ کے لئے اس ملک کی آزادی، خوشحالی اور ترقی کو بھی داؤ پر لگانے سے گریز نہیں کرتے۔ حال ہی میں ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کے معاہدہ کی تنسیخ اس کا واضح ثبوت ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی ہمیں ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ سامراج نے اس ملک پر اپنے خونی پنجوں کو مضبوطی سے گاڑنے کی خاطر پاکستان کے تعلقات کو دشمنی کی حد تک خراب کرا دیا اور اس طرح پاکستان کو فوجی معاہدوں کے شکنجے میں جکڑ لیا تاکہ اگر کسی وقت پاکستان کے غریب عوام اپنا حق مانگنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تو فوج سے کام لیا جا سکے۔ ہمارے ملک میں جب بھی غریب کسانوں، مزدوروں نے اپنے جمہوری حقوق کے لئے جدوجہد کی اس کا نتیجہ مارشل لا کی شکل میں برآمد ہوا اور پھر جب مارشل لا ختم ہوتا ہے جاگیردار، سرمایہ دار نئی شکل میں اقتدار پر قابض دکھائی دیتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ سامراج نے فوجی اور اقتصادی معاہدوں کی آڑ میں پاکستان کو اتنا قرض دیا کہ آج پاکستان کا ہر شہری ۳۱۰ روپیہ کا مقروض ہے اگر نابالغوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو پاکستان میں پیدا ہونے والا ہر نومولود بچہ -/۳۰۰ روپیہ کا مقروض پیدا ہوتا ہے۔ ان حالات میں بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سامراج اس ملک کے سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ اگر کبھی ملک کے غریب عوام اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو سامراج اپنی راہ کے ہر روڑے کو غیر جمہوری طریقے سے ہٹا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے ملک کے جاگیردار سرمایہ دار سامراج کو خوش کرنے اور اس کے مفادات کے تحفظ کے لئے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک ملک رہے یا نہ رہے مگر سامراج خوش رہے۔ اسی میں ان کی عاقبت ہے۔ ان حالات میں ملک کے سیاسی حالات کے بارے میں ہر ذی شعور اندازہ لگا سکتا ہے کہ ہمارے ملک کے سرمایہ دار، جاگیردار قسم کے حکمرانوں نے ہمیں سیاسی طور پر امریکی سامراج کے پاس گروی رکھا ہوا ہے

س: موجودہ فوجی حکومت نے جن انتخابات کا

باقی ص۵۷ پر

میں ماضی کی روشنی میں مارشل لا کے بارے میں بات کروں گا، کیانی

پاکستان کے عوام کی بنیادی انسانی حقوق اور شہری آزادیوں سے محرومی کی داستان اتنی طویل ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ برطانوی نو آبادکاروں کی سیاہی غلامی سے نجات کے بعد بھی ان کے حصے میں ان محرومیوں کے سوا، اور کچھ نہیں آیا۔ عوام کی رضامندی مرضی اور پسندیدگی کے بغیر حکمران طبقات کے افراد ان پر اپنے فیصلے تھونپنے کی کوشش کرتے رہے ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کی کوششیں اگر وقتی طور پر کامیاب ہو بھی گئیں تو کچھ ہی عرصے بعد عوام نے انہیں ناکامی میں بدل دیا۔

بہرحال اس جبرِ مسلسل کی ایک کڑی ایوب خانی مارشل لاء کا دور تھا۔ یہ دور آج کے دور سے زیادہ تاریک تھا یا نہیں تھا اس پر اختلافِ رائے ہو سکتا ہے لیکن ایک بات جس پر اختلاف رائے کی کوئی گنجائش نہیں یہ ہے کہ اس دور میں جسٹس ایم۔ آر۔ کیانی کی آواز اندھیری رات میں کوندے کی طرح لپکتی اور کاروانِ جمہوریت کو اگر منزل نہ دکھا سکی تو راستے میں حائل مشکلات ضرور دکھاتی رہی۔ آج کا المیہ یہ ہے کہ اس جیسی کوئی آواز نہیں۔ اگر اس سے ملتی جلتی کوئی آواز بلند ہونے کی کوشش کرتی ہے تو غیر جمہوری قوانین، قاعدے، ضابطے اور احکام اسے جیلوں کی چہار دیواریوں میں بند کرنے اور کوڑوں کی ضربوں سے خاموش کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں ہم نے مناسب سمجھا کہ جسٹس کیانی مرحوم کی آواز پھر سے سنی اور سنائی جائے۔ اس مقصد کے لئے ہم نے کیانی مرحوم کی تین تقریروں کا انتخاب کیا ہے جو انہوں نے کراچی میں وکلاء کے اجتماعوں میں کی تھیں۔ یہ تقریریں سلسلہ وار شائع کی جائیں گی۔ (ادارہ)

۱۱ دسمبر ۱۹۵۸ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب

یہ پہلا موقع ہے کہ میں ایک نہیں بلکہ دو دو ہم بار ایسوسی ایشنوں سے مخاطب ہوں اور آپ سے یہ سنجیدہ یقین دہانی حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اسے ایسا سنجیدہ موقع تصور نہیں کریں گے جو ایسے الفاظ کے بوجھ سے گراں بار ہو جو روزانہ نسل در نسل سپاٹ انداز میں دہرائے جاتے رہے ہیں اور آپ جنہیں سنتے چلے آئے ہیں۔ آپ سے یہ یقین دہانی اس لئے چاہتا ہوں کہ چند ماہ قبل جب میں چیف جسٹس بنا تو میں نے خوشدلی کے ساتھ، ہلکے پن کے ساتھ نہیں، چند معاملات پر گفتگو کی اور کئی نانا، پرنانا، دادا، پردادا نے اس پر آزردہ ہوتے کیونکہ ان کے خیال میں یہ ایک سنجیدہ موقع تھا۔ مجھ سے اتنے

بدنصیبی تنہا نہیں آئی بٹالیوں کی موت میں آئی ہے

حلف سنجیدگی کے ساتھ اٹھوائے گئے ہیں کہ میرے لئے سنجیدگیاں سنجیدگی سے عاری ہو گئی ہیں اور حقیقتیں اور زیادہ حقیقت بن گئی ہیں۔ میں نے پہلا حلف لاہور ہائی کورٹ کے ایڈیشنل جج کی حیثیت سے اٹھایا۔ یہ ضرور غیر مخلصانہ طور پر اٹھایا گیا ہوگا کیونکہ میں تقریباً ۶، ۷ سال ایڈیشنل جج رہا۔ جو ریکارڈ پر موجود سب سے لمبا عرصہ ہے۔ میرے دوسرے حلف کا موقع وہ تھا جب مکمل جج بنا اور گورنر جنرل کی طرف سے "ہمارے محبوب رعیت" کے طور پر اہلیت کا صداقت نامہ مجھے عطا کیا گیا۔ برسبیل تذکرہ۔ گورنر جنرل نے مجھے بحیثیت جج اپنے عہدے سے لطف اندوز (یہ لفظ پروانہ تقرری میں درج ہوتا ہے۔ مؤلف) ہونے کا اختیار دیا۔ مسٹر جسٹس محمد جان، جو آج کل کسٹوڈین ہیں، نے بطور خاص مجھے اس طرف متوجہ کیا اور یہی وجہ ہے کہ میں سنجیدہ مواقع کو بھی پُر لطف بناتا ہوں اس کے بعد صوبہ مغربی پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور مسٹر گورمانی نے مجھ سے ایک بہت سنجیدہ حلف لیا لیکن عادت سے مجبور ہو کر انہوں نے میری بجائے میرے بھائی کا نام لیا اور تالیوں کی سرسراہٹ پھیلی۔ اگر یہ ایک سنجیدہ موقع ہوتا تو سنجیدگی کی سرسراہٹ ہوتی بہر حال چونکہ حلف میں سقم تھا اس لئے نئے دستور کے موقع پر اسے تازہ کیا گیا۔ ان تمام حلفوں کے بعد حضرات، کبھی کبھی پر غصہ آنا نا قابل معافی ہے۔ اور اب دستور کی منسوخی کے بعد (اس موقع سے کوئی دو ماہ قبل مارشل لاء کے نفاذ کے ذریعے سنہ ۱۹۵۶ء کا دستور منسوخ کیا گیا تھا۔ مؤلف) اور اس وقت ایک حقیقی اور ٹھوس حلف کی ضرورت تھی، ان لوگوں نے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ آخر کار کسی نے ہم پر اعتماد کا اظہار کیا۔

اس ابتدائی سبب کے اظہار کے بعد میں اس موضوع کی طرف آتا ہوں جو آپ کو سب سے زیادہ عزیز ہے لیکن کونسا موضوع آپ کو سب سے زیادہ عزیز ہے جب تک کہ آپ اپنی ترجیحات طے کریں مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی مہربانی کا شکریہ ادا کروں لیکن ہائیکورٹ کے اس جج کی بیوی کی طرح نہیں جو میرے کام کا معائنہ کرنے کے لئے اس وقت تشریف لائے تھے جب میں گوجرانوالہ میں ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج تھا۔ میرے خلاف شکایت یہ تھی کہ میں اتنا تجربہ کار نہیں تھا کہ ایک بڑے ڈویژن پر قابو رکھ سکوں جیسا کہ میرے پردادا کہتے یہ ایک سنجیدہ موقع تھا۔ اور ایک ایسے ریسٹ ہاؤس میں جو کچھ زیادہ اچھی طرح آراستہ نہیں تھا جج صاحب کی آسائش کے لئے میں نے قالین، پردے، کرسیاں، ٹی سیٹس اور ڈنر سیٹس اور ہر چیز سے بڑھ کر ایک سنیئر سب جج کو بھیجا لیکن اس کا سب سے بہتر حصہ سنیئر سب جج تھا جو ایک ایسا قالین لایا تھا جس میں پانچ بڑے بڑے سوراخ تھے میں نے اسے پھینک دیا اور اس کی جگہ اپنا قالین دیا لیکن سنیئر سب جج نے معزز جج (وہ اس زمانے میں معزز ہوا کرتے تھے، میری مراد جج ہیں ریڈر نہیں۔ اب وہ معطل کئے جاتے ہیں میری مراد ریڈر ہیں جج نہیں) (یہ ایک علامتی اشارہ ہے ان جج صاحب کی طرف جنہیں چند دن قبل معطل کیا گیا تھا اور اس معطلی کی گنجائش پیدا کرنے کے لئے آئین میں خصوصی ترمیم کی گئی تھی۔ مؤلف) ریڈر کے اعزاز میں ایک ڈنر کا انتظام کیا تھا۔ خیر۔ میں کہہ رہا تھا کہ سنیئر سب جج کے ڈنر میں ریڈر مہمان خصوصی تھا۔ اور اس نے معائنہ کرنے والے جج کی بیوی سے کہا تھا کہ تمام قالین اور دوسرا سازو سامان سنیئر سب جج نے اپنے گھر سے فراہم کیا تھا اس لئے بیگم صاحبہ بطور خاص سنیئر سب جج کی طرف متوجہ ہوئیں اور اس سے کہا کہ اس قدر تکلیف اٹھانے پر وہ اس کی بیحد شکر گزار ہیں۔ سنیئر سب جج میری موجودگی میں سارے "تشکر" پر قبضہ نہیں جما سکتا تھا اس لئے مشتبہ انداز میں بڑبڑایا کہ "یہ سب کچھ میری وجہ سے تھا" بیگم صاحبہ میری طرف پلٹیں، گو کہ وہ پوری طرح شکوک تھیں، اور اضافہ کیا "تب مجھے آپ کا بھی شکر گزار

مارشل لاء

اساسی طور پر

ایک اسلامی

ادارہ ہے!

ہونا چاہیئے۔" اب کیا میں آپ ۳ یا ۴ حضرات کی طرف پلٹوں جو میرے پاس تشریف لائے اور کہا کہ اگر میں ان کے ساتھ ایک کپ چائے اور خشک پھلوں میں شامل نہ ہوا تو بار ایسوسی ایشنیں اپنے بنیادی حق سے دستبردار ہو جائیں گی؟ یا میں بیگم صاحبہ کی طرح مشکوک انداز میں آپ حضرات کی طرف، عظیم اکثریت کی طرف پلٹوں جن سے مشورہ نہیں کیا گیا تھا اور جنہیں صرف یہ کہا گیا تھا کہ انہیں چندہ ادا کرنا ہے؟ ان تقریبات کے بارے میں میرے محسوسات یہ ہیں کہ ان کا بندوبست صرف چند افراد کو نہیں کرنا چاہیئے اور انہیں کبھی کبھی ہونا چاہیئے۔ یقیناً آپ کی سالانہ تقریب کے علاوہ۔ تاکہ ان کی کمی کی وجہ سے ہی جس کے اعزاز میں یہ منعقد کی جائیں یہ محسوس کرے کہ اس میں دلی جذبات شامل ہیں۔ ایک وقت تھا کہ پشاور بار کو یہ امتیاز حاصل تھا۔ سنہ ۱۹۴۶ء میں جب میں ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج تھا۔ سیکرٹری میرے پاس آئے اور کہا "ہمیں الوداعی پارٹیاں دینے کی عادت نہیں ہے لیکن آپ کے ہمارے ساتھ چار سال گزارنے کے بعد ہم سمجھتے ہیں آپ اس کے حق دار ہیں" اور میں نے کہا۔ "لیکن آپ جوڈیشل کمشنر کو بھی پارٹی دے رہے ہیں اور چونکہ آپ نے سلوک کے اعتبار سے مجھے ان ہی کے معیار پر رکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں اسے قبول نہیں کروں گا۔" لیکن پشاور میں آپ صاف گو ہو سکتے ہیں۔ ۲ سال قبل انہوں نے مجھے ایک کفایتی تقریب میں مدعو کیا اور شکایت کی کہ میں نے خرچ کرنے کے بارے میں ان کی حوصلہ شکنی کی ہے وہ چاہتے تھے کہ اللہ نے کھانے کے لئے زندگی میں جتنی اچھی چیزیں دی ہیں کبھی کبھی ان سے زور آزمائی کرتے رہیں اور میرے دورے نے انہیں صرف کھانے کے لئے ایک بہانہ فراہم کیا تھا۔ انہوں نے کہا یہ درست ہے کہ چند لوگوں کے لئے یہ مالی اعتبار سے نقصان دہ تھا لیکن دوسروں نے اس سے منافع کمایا اور انہوں نے کھانے سے اس وقت تک ہاتھ نہیں کھینچا جب تک انہوں نے چندے میں دی ہوئی رقم سے دگنی قیمت کی چیزیں کھا نہ لیں پھر آپ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس علاقے میں لوگ بہت زیادہ مذہبی واقع ہوتے ہیں۔ کھاؤ، پیو — صرف کبھی کبھار۔ زیادہ خرچ مت کرو۔ اب قانون کی تشریح کا یہ بنیادی اصول ہے۔ آپ میں سے ایک صاحب نے کل ہم سے کہا تھا کہ مالی امور میں قانون کی تاویل رعیت کے حق میں ہونی چاہیئے۔ "کھاؤ" اور "پیو" الفاظ کے معنی یہ ہونے چاہئیں کہ "کھاؤ جتنا زیادہ تم کھا سکتے ہو، پیو جتنا زیادہ تم پی سکتے ہو اور چھوڑ دو اس وقت جب الٹی ہونے کا وقت آجائے۔" صرف یہ حصہ ہے جب "خرچ مت کرو"۔ الفاظ نافذ العمل ہوتے ہیں اور یہ تو بڑی عام فہم بات ہے کہ یہ الفاظ تیسرے درجے پر آتے ہیں۔ برسبیل تذکرہ یہ شراب پر پابندی کے حمایتیوں کے لئے مؤثر جواب ہو سکتا ہے کیونکہ اگر لفظ "پیو" کا مطلب پیو جتنا زیادہ سے زیادہ تم پی سکتے ہو، ہے تو پھر اس میں پانی کے علاوہ اور چیزیں بھی شامل ہیں کیونکہ پانی تو آپ ایک گلاس سے زیادہ نہیں پی سکتے اور پیو جیسا معنی سے بھرپور لفظ — جو اظہار میں اتنا سادہ اور وقار میں اتنا بلند تر ہے، صرف پانی کے ایک گلاس کی اجازت دینے کے لئے یقیناً استعمال نہیں کیا گیا ہوگا۔

اگر آپ اب کسی نتیجے پر پہنچ گئے ہیں کہ آپ کو سب سے زیادہ عزیز کون سی بات ہے، تو میں ماضی کی روشنی میں مارشل لاء کے بارے میں گفتگو کروں گا۔ میں اس وقت اپنے آبائی گاؤں میں تھا اور اپنے والد کی موت پر ماتم گسار تھا۔ وہ بہت محبت کرنے والے باپ تھے اور انہوں نے میری تربیت اس طرح کی ہے کہ میں خراج محبت و اطاعت پیش کئے بغیر ان کا نام نہیں لے سکتا اگر تمام باپ ان کی طرح کے ہوتے تو شاید بار بار مارشل لاء

ہم دانشورانہ بددیانتی کے خلاف صف آرا ہیں اور اس کے خلاف مارشل لا صف آرا ہے

کا سہارا لینے کی ضرورت نہ ہوتی کیونکہ انہوں نے مجھے نظم و ضبط سکھایا اور نظم و ضبط کے بغیر، اور خاص طور پر فکری نظم و ضبط پر زور دیئے بغیر، کاروبار جہاں جاری نہیں رہ سکتا۔ انہوں نے مجھے محبت کا درس دیا تاکہ لطف و عنایت کے انسانی جذبات کے زیر اثر نظم و ضبط کی سختیاں قابل برداشت ہو جائیں۔ بالکل اسی طرح جیسے انصاف کو رحم کی آب دی جاتی ہے انہوں نے مجھے دیانتداری کا سبق سکھلایا تاکہ میں اپنی خوبیوں کا بڑھا چڑھا کر اندازہ لگاتے ہوئے اپنے سے اوپر والے آدمی کے زندہ جسم کو روندتے ہوئے جاہ طلبی کی اوج پہ پہنچنے کے بارے میں مسلسل نہ سوچتا رہوں لیکن اگر آپ مجھ میں کوئی دانشورانہ بددیانتی پاتے ہیں تو یہ ان کی غلطی نہیں ہے اور بنیادی طور پر یہ دانشورانہ بددیانتی ہی ہے جس کے خلاف ہم صف آرا ہیں اور اس کے خلاف دکھاوے کے لئے مارشل لاء صف آرا ہے۔ حضرات۔ اگر کوئی کبھی ایسا شخص گزرا ہے جس کے بارے میں اس کے بیٹے کہہ سکیں "اے باپ ہمارے، اے ہمارے باپ" تو ایسے شخص وہی تھے۔ میں اس لئے انسانی تعلقات پہ زور دے رہا ہوں کہ اگر یہ فطری انداز میں نمو پاتے ہیں تو وہ انسان کو مکمل انسان بناتے ہیں اور وہ چاہے زندگی کے کسی شعبے میں کیوں نہ ہو یہ تعلقات اسے احتیاج سے بے نیاز اور مال و دولت سے آزاد بناتے ہیں۔ وہ لوگ جنکی تربیت میری طرح ہوتی ہے وہ آپ کو آپ کے مکانوں، موٹروں اور کپڑوں کے حوالے سے نہیں دیکھتے، نہ ہی صدر یا وزیر اعظم ہونے کے ناطے۔ ایک جج ہونے کے ناطے بھی نہیں دیکھتے وہ آپ کو آپ کی دانشورانہ دیانت کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ اور ان انسانی تعلقات پہ زور دینے کے لئے میں اپنے والد کا ذکر ان الفاظ میں کروں گا جن الفاظ میں کپلنگ نے اپنی والدہ کا ذکر کیا ہے:۔

اگر میں عمیق ترین سمندر میں غرق ہوتا۔
میں جانتا ہوں کہ وہ کس کے آنسو ہوتے جو مجھ تک پہنچتے۔
اے باپ میرے، اے میرے باپ!
اگر میں بلند ترین پہاڑی پر پھانسی پہ لٹکا ہوتا
میں جانتا ہوں کہ کس کی محبت میرے پیچھے پیچھے وہاں تک پہنچتی۔
اے باپ میرے، اے میرے باپ!
اگر میرے جسم و روح پر عذاب نازل ہوتا
میں جانتا ہوں کہ کس کی دعائیں میری تکمیل کرتیں۔
اے باپ میرے، اے میرے باپ!

وہ ایک خصوصیت کے حامل تھے جس کے بے شمار گواہ ہیں۔ یہ مصائب کے دوران حوصلہ تھا جو مشیت ایزدی کے سامنے سر جھکانے سے پیدا ہوتا ہے۔ بعض لوگ اسے استقامت کردار کہیں گے، لیکن آپ کو جو کوئی بھی نام پسند ہو، یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو آپ کو آگ سے بھی بے داغ نکال سکتی ہے جن لوگوں نے انہیں اپنے بیٹے کی لاش کا استقبال کرتے دیکھا انہوں نے دیکھا کہ ان کے لبوں پہ اللہ کے تشکر کے الفاظ تھے۔ ان کی آواز میں لرزش نہیں تھی اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے خالی تھیں چند لوگوں نے بعد میں کہا کہ یا تو عام انسانی سطح سے بلند تھے یا پھر وہ لوگ عام سطح سے پست تھے۔

یہ صورت حال تھی جس میں مارشل لاء نے مجھے اپنے آبائی گاؤں میں پایا۔ بدنصیبی تنہا نہیں آتی بلکہ بٹالینوں کی صورت میں۔ اور اس معاملے میں تو پوری فوج تھی۔ میرا یہ گاؤں کوہاٹ شہر سے دو میل کے فاصلے پہ ہے اور اس تاریخی صبح کے تقریباً ۸ بجے میرے بھتیجوں میں سے ایک نے جو شہر گیا ہوا تھا مجھے فون کیا کہ کراچی پہ مارشل لاء لگا دیا گیا ہے۔ میں نے اس سے کہا "اتنے فاصلے پر یہ تمہیں کیسے چبھ رہا ہے؟" اور اس نے جواب دیا یہ صرف اطلاعاً عرض تھا۔ اور میں نے ان لوگوں سے جو فون کے قریب تھے کہا کہ اب وقت آیا ہے کہ کراچی کو کچھ ملا۔ ہماری باری سنہ ۱۹۵۳ء میں آچکی تھی (سنہ ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کے خلاف فسادات کے دوران لاہور شہر پہ مارشل لاء لگا دیا گیا تھا اور جنرل اعظم خان کو ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا تھا) خیر، یہ الیمبرا ابھی نہیں تھا۔ بوڑھے جنرل اعظم خان اپنے ٹھوس اور جذبات سے عاری جسم سے جو ہری حلاوہ تقسیم کر رہے تھے۔ گو کہ یہاں وہاں کسی ناراض بیوی نے بذریعہ حکم اپنے شوہر سے رہائی حاصل کی۔ ایک گھنٹے بعد کسی معاملے کے سلسلے میں میں نے پولیس سپرنٹنڈنٹ سے ملاقات کی اور اس نے مجھ سے کہا کہ مارشل لاء کے تحت علاقہ کراچی سے کچھ زیادہ ہی بڑا تھا۔ یہ مشرقی اور مغربی پاکستان جیسے دو چھوٹے سے صوبوں پہ محیط تھا اور کچھ مزید تفصیلات بھی تھیں، کچھ اتنی زیادہ اہم نہیں، مگر کچھ وصیت کی طرح کی۔ آئین منسوخ کر دیا گیا تھا اور وزارتیں برطرف کر دی گئی تھیں۔ اگر آپ نے ان ہوائی راستوں پہ سفر کیا ہے جن پر طیارہ کسی ائیر پاکٹ میں اچانک ایک ہزار فٹ نیچے آجاتا ہے تو آپ جان لیں گے کہ میں نے کیا محسوس کیا تھا۔ میں نے ایک باغ میں پناہ ڈھونڈی جہاں میں گلاب کی پیوند کاری کرتا اور باڑھ چھانٹتا ہوں۔ یہ پیوند کاری کا موسم نہیں تھا اور اس کے ماسوا ہم پر جمہوریت کی کافی پیوند کاری ہو چکی تھی اس لئے میں نے ایک باڑھ کو چھانٹ کر ایک وضع دینا شروع کر دیا۔ جب میں کسی باغ میں کام کرتا ہوں تو اس سے مجھے غم کے برداشت اور اپنے خیال کو واضح کرنے میں مدد ملتی ہے اور حضرات اگر آپ سازش سے آزاد ہونا چاہتے ہیں تو میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ فاضل اوقات باغبانی کریں، گو کہ ججوں میں سے بعض حضرات آپ سے کہیں گے کہ سازش کے لئے بہترین اکسیر کنٹریکٹ برج ہے یہ بات مجھ پر واضح نہیں ہے کہ آیا جب آپ برج کھیل رہے ہوں تو سازشوں کے بارے میں بھول جاتے ہیں کیونکہ سب سے پہلا خیال اپنے سامنے موجود مدمقابل کو فریب دینا ہوتا ہے یا آپ بہتر چال چل سکتے ہیں اور فریب دہی کے کھیل کے ذریعے سیاسی سازشوں کا پلان بنا سکتے ہیں۔ لیکن میں کہہ رہا تھا کہ میں نے ایک باغ میں پناہ ڈھونڈی اور ایک باڑھ کو تراشنے میں مشغول ہو گیا اور سورج کی شعاعیں میری گردن کاٹنے لگیں۔ میرے اندر ایک کشمکش برپا ہو گئی جس نے مجھے اپنے گرد و پیش سے بے خبر کر دیا میں نے خود کو ایک مکمل عدالت میں پایا جہاں مسٹر چندریگر مسٹر بروہی اور محمود علی قصوری، جن کے بارے کچھ نہ کہا جائے تو بھی، جو لاہور میں بولتے اور کوہاٹ میں سنے جاتے تھے، کے مقابل اٹارنی جنرل صف آرا تھے۔ مجھ جیسے آدمی کے لئے جو قانون کی حکمرانی میں پک گیا ہو جس نے ہمیشہ یہ کہا ہو کہ صرف ایک آمریت ہے جس میں وہ یقین رکھتا ہے وہ ہائی کورٹ کی آمریت ہے، ایک منصفانہ آمریت۔ ایسے آدمی کے لئے جس کی تربیت آئینی موزونیت کی روایت پر ہوتی ہے یہ بات لازماً غیر معمولی ہے کہ راتوں رات دستور منسوخ کر دیا جائے اور یہی سوال تھا جو میں نے باڑھ تراشتے ہوئے میں اٹارنی جنرل سے کیا۔ کیوں نہ نامناسب حصہ ختم کر دیا جائے اور حکومتیں ختم کر دی جائیں اور اس کے بعد دیکھیں کہ ہمیں کس قسم کا آئین رکھنا چاہیئے؟ لیکن اٹارنی جنرل نے ہنس کیلسن کے صفحوں کے صفحے پڑھ ڈالے جو یہ ظاہر کرتے تھے ماضی میں انقلاب کے ذریعے آئین منسوخ کئے جاتے رہے ہیں (یہ ایک دلیل تھی جس پر سپریم کورٹ نے انحصار کیا تھا) میں نے نشاندہی کی کہ ہنس کیلسن خود فکر میں ایک انقلابی تھا جبکہ ہماری تربیت آسٹن کے اصول قانون کی طرز پر ہوتی ہے۔ کوئی طور طریقے، کوئی خطرات قانون کے حوار

ہم نے سماجی ضرورت کو چھرا گھونپ دیا

اور آپ نے فوجی ضرورت پیدا کر دی

کو اس کے پس پشت کارفرما جواز سے جدا نہیں کر سکتے۔ اگر کل میں کپڑوں کا ایک مختلف سوٹ پہن لیتا ہوں تو کیا آپ مجھے ایک مختلف آدمی کہیں گے؟ لیکن عملی سطح پر ایک بات تھی جو اٹارنی جنرل نے کہی جس کا جواب مسٹر بروہی کے دانشورانہ فلسفے کے پاس نہیں تھا۔ کم از کم اس وقت نہیں تھا جب میں باڑھ تراش رہا تھا اور اس بات نے مجھے اس قدر بے بس بنا دیا کہ میں نے اپنی انگلی بھی کاٹ لی۔ وہ بات یہ تھی کہ: تقریباً ہر تیسرے دن سیاسی افق پر میرے علم میں ایسی باتیں آئی تھیں جن سے میرا دل خون ہو جاتا تھا جیسے کہ میری انگلی سے خون بہہ رہا تھا اور مسٹر فیاض علی نے کہا (وہ اس وقت اٹارنی جنرل تھے): ان کو درست کرنے میں آپ کے قانون کی حکومت نے کیا مدد کی؟ آپ کے اجراء پروانہ کے دائرۂ اختیار نے انکا کیا علاج کیا۔ یہ اور بات تھی کہ انقلاب سے پہلے خود مسٹر فیاض علی نے ان باتوں کی خراب باتوں کے طور پر نشاندہی نہیں کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ان خرابیوں کے ساتھی تھے (مولوی تمیز الدین مقدمہ) اور جیسا مجھے توقع ہے وہ ہمیشہ رہیں گے۔ چاہے مسٹر ڈلوک ان کے ساتھ رہیں یا نہ رہیں لیکن بحث نے میرے خیالات میں خلل ڈالا اور میں اپنے گلابوں کو تراشنے لگ گیا گو کہ تراشنے کے لئے یہ مناسب موسم نہیں تھا۔ ہمارے قومی وجود کے مختصر عرصے میں ہم نے کبھی بھی ان کے موزوں موسم میں کام نہیں کئے ہیں اور بحث گلاب کی خوشبو میں مل گئی اور میں اپنی خون بہاتی انگلی کو بھول گیا لیکن جب اٹارنی جنرل میرے خون شدہ دل پر عمومی فہم اور حقیقت کا مرہم مل رہے تھے۔ میں مرہم سے تسکین نہ پا کر لیکن دلیل سے بے چین ہو کر گول گول گھوم رہا ___ تم نے سیاسی بداخلاقی اور سیاسی طوائفیت کو روکنے کے لئے کیا کیا ہے؟ جب تک کہ صدر کا حکم نہیں آ گیا (قوانین (نفاذ مسلسل) کا حکم ۱۹۵۸ء) اور اس نے کچھ دیر کے لئے مجھے لوری دے کر سلا دیا کیونکہ ہائی کورٹ اب بھی موجود تھا گو کہ اجراء پروانہ کے دائرہ اختیار میں تخفیف کر دی گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اٹارنی جنرل کا خیال تھا کہ ہم نے اجراءِ پروانہ کے دائرہ اختیار سے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا تھا تب سپریم کورٹ کا فیصلہ آیا کہ ___ کامیاب انقلاب آپ اپنا جواز ہے، اور میں نے زیادہ آسانی محسوس کی۔ کیونکہ عدالتی ذمہ داری ایک زیادہ بلند ٹریبونل نے اٹھالی تھی اور صدارتی حکم خاص طور پر فکرمند تھا کہ سپریم کورٹ قانون کا تعین کرے۔

لیکن آئینی دلائل اور قانون کی حکمرانی سے میری محبت سے قطع نظر کیا آپ نے غور کیا ہے کہ مارشل لاء اساسی طور پر ایک اسلامی ادارہ ہے؟ کیا آپ کو بچپن سے یہ نہیں سکھلایا گیا ہے کہ خدا سے محبت کرنے کی بجائے اس سے خوف کھائیں؟ آپ کے فلسفے پر میرا ہمیشہ یہ الزام رہا ہے کہ آپ اس وقت کوئی کام کرتے ہیں جبکہ مالک کا خوف آپ پر بٹھایا جائے۔ جب مارشل لاء چلا جائے گا تو آپ کی مٹھائی پر مکھیاں واپس آجائیں گی۔ آپ کی گلیوں میں غلاظت واپس آجائے گی اور وہ بوڑھا آدمی جسے میں نے مشورہ دیا تھا کہ ضمنی پیداوار باغِ جناح میں نہ ڈالے مجھ سے سوال کرے گا کہ پھر وہ کہاں جائے۔ اگر مارشل لاء کا مطلب لوگوں پر احساس شہریت مسلط کرنا ہے تب بھی ہر گھر، ہر گلی، ہر شہر، ہر دفتر میں اس کی ضرورت ہے اور آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی ان دفتروں اور محکموں میں جن سے میرا تعلق ہے قانون کی حکمرانی بڑی حد تک مارشل لاء کی حکمرانی سے جڑی ہوئی ہے اسے ایک مرتبہ میں نے حکومت کے خلاف نافذ کیا جب اس نے اظہار وجوہ کا معقول موقعہ فراہم کئے بغیر ہمارے قبضے سے ایک مکان واپس لینے کی دھمکی دی۔

حضرات آپ نے اپنے ایڈریس میں کوئی ایسی بات نہیں کہی ہے جس کا مارشل لاء سے براہ راست تعلق ہو۔ شاید اس اندیشے کے پیش نظر کہ کہیں اس سے کوئی مارشل لاء ضابطہ مجروح نہ ہو لیکن آپ نے بنیادی حقوق ہائی کورٹ کے نگرانی کے دائرہ اختیار کا حوالہ دیا ہے اس کا براہ راست تعلق اس موضوع سے ہے مگر قبل اس کے کہ میں ان امور پر بحث کروں، میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صرف ایک غیر دانشمندانہ حکومت ہی اس تنقید سے ناراض ہو سکتی ہے جو خلوص نیت سے اور حکومت کے فائدے کے لئے کی جائے اور اگر آپ کو اپنی نیت کے بارے میں کوئی خوف نہیں ہے تو ممکن ہے کہ آپ کو کوئی خوف ہی نہ ہو کہ آپ کی نیت کو غلط معنی پہنائے جائیں گے۔ میں اس موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ارکان حکومت کو مشورہ دوں گا کہ وہ صحتمند تنقید کی دعوت دیں تاکہ لوگ اپنے ہی خیالات کے بوجھ تلے نہ دبے رہیں۔ اب جہاں تک بنیادی حقوق کا تعلق ہے تو وہ اتنے بنیادی ہیں کہ آپ ان کے منسوخ کئے جانے کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ آزادئ تقریر، ملزم کو اپنا دفاع کرنے کا موقع اور قانون کی نظر میں برابری ایسا موضوع نہیں ہیں جن کے بنیادی ہونے کے بارے میں کسی اعلان کی ضرورت ہو۔ جب ہم نے ۱۹۵۵ء میں پنڈی سازش کیس کے قیدیوں کو آزاد کیا تو کیا اس وقت بنیادی حقوق اور اجراء پروانہ کا دائرہ اختیار موجود تھا؟ قانون کی حکمرانی کے لئے یہ ایک بُرا سال تھا اور ماحول مطلق العنانیت کے خوف سے بھرا ہوا تھا ہم نے نہ تو ان قیدیوں کو پسند کیا نہ ہی ناپسند کیا۔ لیکن ہم نے انہیں رہائی دی تاکہ اندیشوں کو دور کرنے کے لئے سماج کے اندر طاقتوں کے توازن کو برقرار رکھیں۔ ہم چاہتے تھے کہ ہر طبقے کے بے قابو افراد۔ مذہبی، سیاسی، سماجی، فوجی ___ کو مساوی مواقع حاصل ہوں اور صرف اس وقت مداخلت ہو جب وہ "خطرناک انداز میں بے قابو" ہو رہے ہوں۔ شاید آپ بھول گئے ہیں کہ ہماری سرزمین پر سماجی ضرورت کا قانون ایک اتفاقی سیلاب کی طرح آیا اور خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں یہ لوگوں کو سیاسی قدموں سے اکھیڑ کر بہا نہ لے جائے۔ ہم نے سماجی ضرورت کو چھرا گھونپ دیا اور اب آپ نے ہمارے لئے فوجی ضرورت پیدا کر دی ہے۔ ہم نے کئی کام کئے ہیں جنہیں آپ ہمارے مرنے کے بعد ہماری قبروں کا کتبہ بنا دیں گے لیکن جب تک میں زندہ ہوں میرے لئے کوئی قبر کھودنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ ہم افراد نے مجھ سے کہا ہے کہ انہوں نے سنا ہے کہ بعض اوقات اجراء پروانہ کے دائرہ اختیار غلط طور پر استعمال کیا گیا ہے اور میں نے ان سے کہا کہ سننا اور دیکھنا ایک ہی چیز نہیں ہیں۔ ہم نے کیا کیا ہے سوائے اس کے کہ ہم سنیارٹی اور تنخواہوں سے متعلق خاص طور پر ریلوے کے بارے میں چند الجھے ہوئے سوالات کو حل کرنے میں حکومت کی مدد کی ہے۔ ہم نے ریلوے کے کارپردازوں کیلئے جو کچھ کیا ہے اس کے پیش نظر میں سوچتا ہوں کہ ہم ایک ریلوے سیلون کے حقدار ہیں۔ جہاں تک دوسرے سول محکموں کا تعلق ہے تو جو افسر اکثر و بیشتر احتجاج کرتے ہیں وہ سیکریٹریوں اور کمشنروں کے درجے کے سینئر سول افسران اور اعلیٰ پولیس افسران ہوتے ہیں لیکن آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ جب ان کی بھی سنیارٹی پر بدنصیبی کا ہلکا سا سایہ پڑتا ہے تو وہ بھی دوڑ کر ہمارے ہی پاس آتے ہیں۔ فی الوقت تقریباً ایسے افسروں کو متاثر کرنے والی درخواستیں ہمارے زیر سماعت ہیں اور ہم ان پولیس افسروں کی سنیارٹی کا مسئلہ طے کر چکے ہیں جن کے بارے میں حکومت نے ۲ یا ۳ فیصلے کئے اور ہر بار سابقہ فیصلہ کو الٹا۔ اس مناسبت سے کہ یہ برسر اقتدار حکومت ڈیموکریٹک تھی یا ریپبلکن۔

نتیجۃً آپ کو کوئی خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اجراء پروانہ کے دائرہ اختیار میں تخفیف کر دی گئی ہے "منتظمین اور سر شوراری" جنت کے پھول ہیں اور لوہے پاکستان کا طول و عرض ان کی خوشبو کو سمیٹنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ ہم جو تشریح کے معاملے میں کم قدامت پسند ہیں اور اکثر ایسے حالات سے دوچار

صرف ایک آمریت ہے، وہ ہائی کورٹ کی آمریت ہے

ہوتے ہیں جو سیاسی نشیب و فراز میں زیادہ روشن خیال ہوتے ہیں. ہم خود کو مجبور کریں گے کہ اس سے بہت آگے جائیں۔ عدالتی ذہن کے تخیلی شعور کے ساتھ "سر شوراہی" کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں اور ہائی کورٹ میں اس کی بہتات ہے۔

ہوسکتا ہے کبھی کبھی بھول چوک ہوگئی ہو. بالآخر۔ ہم سیکھ رہے ہیں۔ ہم سب سیکھ رہے ہیں بہرحال یہ ایک نیا دائرہ اختیار ہے اور پھر ہماری غلطیوں کو ٹھیک کرنے کے لئے سپریم کورٹ موجود ہے اور اگر ان سینکڑوں مقدمات میں سے جو ہم نے فیصل کئے ہیں بھول چوک کی تعداد صرف انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے تب صورتحال اس سیکنڈ کلاس مجسٹریٹ کی یاد تازہ کرنے والی ہے جس نے ایک چور کو دو سال کی سزا دی حالانکہ اس کا اختیار چھ ماہ تک محدود تھا۔ جب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اس سے وضاحت طلب کی تو اس نے تحریری طور پر نہیں دی لیکن انٹرویو ہوا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کہا "نواب صاحب آپ ایک شدید لاقانونیت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ نواب صاحب نے جواب دیا حضور آپ تو روزانہ سات سال کی سزا دیتے رہے ہیں. اگر میں نے کبھی کسی بھلے دن کسی آدمی کو دو سال کی سزا دے دی تو کیا ہوگیا؟ پھر یہ آپ ہی تو ہیں جنہوں نے مجھے نواب بنایا ہے"۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب خوش ہوئے (باشاہ راخوش آمد) اور انہوں نے فیصلے میں لکھا ہے کہ انہوں نے مجسٹریٹ سے بات چیت کی ہے اور یہ کہ بظاہر دو سال ایک منشیانہ غلطی ہے، دو ماہ کی جگہ۔

آپ نے ہائی کورٹ کی نگرانی کے دائرہ اختیار کا حوالہ دیا ہے۔ اگر آپ کراچی میں واقع عدالتوں کے بارے میں سوچ رہے ہیں تو میں پہلے ہی اقدامات کر رہا ہوں اور مارشل لا جیسی چھتری کے ساتھ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متعلقہ وزراء اور خاص طور پر وزیر داخلہ بھی مارشل لا جیسی چھتری کے حامل ہیں۔ میں نے سابقہ وزارت کو لکھا تھا کہ اگر "داخلہ" کو عدالتوں کو عمومی دائرہ اختیار سے باہر رکھنے میں ذاتی طور پر دلچسپی نہ ہو تو مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ مجسٹریٹ، ماتحت جج، ڈسٹرکٹ جج، عام صوبائی سی ایس پی کاڈر میں کیوں نہ رکھے جائیں جن کا تین سال بعد تبادلہ کیا جاسکے اور یہ تبادلہ ہائی کورٹ کے ایما پر ہو نہ کہ وزارتِ داخلہ کے ایما پر۔ لیکن جہاں تک خود ان کا اپنا تعلق ہے یہ افسران نہیں جانتے کہ مدد طلب کرنے کے لئے کس کے پاس جائیں۔ جب وہ چیف کمشنر سے مکان کے لئے کہتے ہیں تو وہ انہیں ہائی کورٹ جانے کے لئے کہتا ہے اور یہ صورتحال ہمیں بڑے گھمبیر مسئلے سے دوچار کرتی ہے۔ صرف کراچی میں نہیں بلکہ پورے صوبے، پورے پاکستان میں۔ اپنے افسروں کو دینے کے لئے ہمارے پاس مکانات نہیں ہیں ان کے لئے نئے مکانات تعمیر کرنے کے لئے ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں۔ ہمارے پاس عدالت کے لئے کمرے نہیں ہیں۔ عدالت کے نئے کمرے بنانے کے لئے ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں یہاں تک کہ جب ہم جمع شدہ کام کو ختم کرنے کے لئے ۳ اضافی افسروں کا مطالبہ کرتے ہیں تو محکمہ مالیات میں سینئر کلرک ایک نوٹ لکھتا ہے کہ صرف ایک اضافی افسر بھی بہت زیادہ ہوگا اور یہ رائے ۲۰ چھوٹی خوبصورت دستخطوں کے ساتھ اوپر جاتی ہے اور آخر کار حکومت ہائی کورٹ کو اطلاع دیتی ہے کہ افسوس ہے کہ سینئر کلرک کو اتفاق نہیں ہے اس کا سینئر کلرک ہونا ضروری ہے کیونکہ کسی سیکریٹری یا وزیر سے آپ یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ اس حقیقت سے ناواقف ہوں گے کہ ان اسامیوں میں ہمارا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے اور یہ کہ ۱۰ جج اکٹھا بیٹھ کر — یہی طریقہ ہے جس کے مطابق ہم اب کام کرتے ہیں — جمع شدہ کام کے گوشوارے کو حکومت سے زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور آپ برس ہا برس سے عدلیہ کی آزادی کے بارے میں باتیں کرتے رہے ہیں لیکن کبھی مالی اعتبار سے اس کی آزادی کے بارے میں نہیں سوچا۔ اگر آپ کو واقعی فکر ہے کہ نئے نظام میں عدلیہ آزاد ہو تو گنجائش پیدا کی جائے کہ ہم اپنا بجٹ خود پاس کریں اور مکانات کی ایک معینہ تعداد ہمارے لئے مخصوص کی جائے، ہوسکتا ہے کہ عدالت کے کمروں، دفتروں اور ہمارے لئے مکانات کی تعمیر کے لئے ہم اپنے انجینئر خود منتخب کریں۔ میرے بھائی عبدالحمید کے پاس ایک اسکیم تیار ہے تاکہ جوں ہی ہم اقتدار میں آئے اس پر عمل درآمد شروع ہو۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب آپ نے نگرانی کے دائرہ اختیار کا ذکر کیا تو آپ کی مراد کراچی کی عدالتیں تھیں لیکن اگر آپ کی مراد کوئی اور معاملہ تھا تو آپ کو کوئی اندیشہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم تمام قانونی عدالتوں کے سرپرست ہیں اور اس دائرہ اختیار سے دست بردار ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ مسٹر چرچل کے مشہور قول کو استعمال کرتے ہوئے۔ جو میں کسی اور موقع پر بھی استعمال کرچکا ہوں، میں ہائی کورٹ کی تحلیل کی کارروائی کی صدارت کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ میں یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس کرتا ہوں کہ ہم نے عدالتوں کے دائرہ اختیار کو اسی حد تک محفوظ رکھا ہے جس حد تک قوانین (انفاذ مسلسل) آرڈر نے عدالتوں کو محفوظ رکھا ہے اور میں نے انہیں مسمار ہونے سے بچانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس کوشش میں اعلیٰ مارشل لا حکام نے نمایاں آمادگی کے ساتھ مجھ سے تعاون کیا ہے اور جیسا کہ میں نے نجی طور پر کہا ہے، اس کے لئے میں ان کا بے حد و انتہا مشکور ہوں۔ میرے اس قدر مشکور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ تعاون کو روک لیتے تو اختیار کی ناقابلِ برداشت کشمکش ہوتی اور یہ ہمارے اپنے مقاصد کو ناکام بنا دیتی۔ جہاں تک عدالتوں کا تعلق ہے اتنی ہی بات ہے لیکن جہاں تک دوسرے معاملات کا تعلق ہے ان میں سے ایک اہم آدمی نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا کہ انہیں پولیس کے مشوروں کے مطابق چلنا چاہیئے اور بعض اوقات ان کی قدر مشکوک ہوتی ہے اگر مقصد حقیقتاً مشکوک نہ ہو۔ وہ فوجی افسروں کے ساتھ مشیر کے طور پر بیٹھتے ہیں۔ ایک ایک طرف ہوتا ہے۔ دوسرا دوسری طرف "گوگ اور میگوگ" (جس کا مطلب ہے یاجوج ماجوج) کی طرح اور وہ اسے قائل کرتے ہیں کہ گو کہ کسی ایک فرد کے خلاف کوئی الزام نہیں تھا۔ یہ ایڈووکیٹ جنرل تھے جنہوں نے ہائی کورٹ میں صحیح طور پر مقدمہ پیش نہ کر کے ہمیں رسوا کیا۔ مقدمہ پیش کرنے کا زیادہ صحیح طریقہ یہ کہنا ہوتا کہ گو کہ کوئی الزام نہیں ہے لیکن چونکہ فوجی عدالت کو بغیر الزام کے مقدمہ چلانا ہے اس لئے ہائی کورٹ کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

لیکن یاجوج ماجوج ایک مختلف شکل میں اس کانفرنس میں ظاہر ہوئے جس میں کمانڈر انچیف، گورنر، زون ایڈمنسٹریٹر، کمشنر اور خاص طور پر کمشنر موجود تھے۔ میں نے زون ایڈمنسٹریٹر کو ایک نوٹ دیا تھا کہ چند معاملات پر فوری توجہ کی ضرورت ہے ان میں سے ایک عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کرنا ہے۔ پرانے پنجاب کے بعض اضلاع میں تجرباتی مگر نامکمل علیحدگی پر کام جاری تھا جس میں پولیس اور انتظامیہ، خاص طور پر ڈپٹی کمشنروں اور کمشنروں کی طرف سے کافی حد تک مخالفت ہو رہی تھی اور آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر مجسٹریٹ انتظامیہ سے آزاد ہو جائیں تو ڈپٹی کمشنروں اور کمشنروں پر کافی اثر پڑتا ہے۔ ایک بار میں نے حکومت کو لکھا تھا کہ یہ حقیقت کہ یہ انتظامی سربراہ اس تجربے کو ناکام سمجھتے ہیں۔ بذاتِ خود

باقی ص ۴۲

عدلیہ کی آزادی کے لئے اُسے مالی طور پر بھی آزاد ہونا چاہیئے

جنرل ضیاء نے پگارا کو
کابینہ میں زیادہ حصہ دینے کی
یقین دہانی کرائی تھی

ایک مسلم لیگی نے
ظہور الٰہی کو دھمکی دی
"غنڈہ گردی چھوڑ دو"

سرحد

خلیل خان خٹک

پاکستان پیپلز پارٹی صوبہ سرحد کی صوبائی کمیٹی کا ایک اہم اجلاس ۲۰ دسمبر کو زریاب کالونی پشاور میں پی پی کے سرکردہ رہنما جناب نثار محمد خان کی قیامگاہ پر منعقد ہوا۔ پارٹی کے صوبائی صدر جناب آفتاب احمد خان شیر پاؤ نے صدارت کی۔ نومبر ۱۹۷۸ء میں جناب شیر پاؤ کے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر دو سال کی پابندی ختم ہونے کے بعد یہ صوبائی کمیٹی کا پہلا اجلاس تھا جس میں صوبے کے تمام حصوں سے آئے ہوئے کمیٹی کے ممبروں، مدعو حضرات اور ورکروں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

یہ سب صبح ۹ بجے سے پہلے ہی مقررہ جگہ پر پہنچ گئے تھے ان میں ڈیرہ اسماعیل خان سے لیکر دیر تک سے آئے ہوئے پارٹی ورکر شامل تھے اجلاس میں قائد عوام چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کی ایک قدآدم تصویر رکھی ہوئی تھی ورکروں نے تصویر کو والہانہ انداز میں چوم کر اور اسے ہار پہنا کر چیئرمین کو اپنی عقیدت کے پھول نذر کیے۔ جناب آفتاب شیر پاؤ دس بجے جلسہ گاہ میں پہنچے تو "چیئرمین بھٹو زندہ باد" "پیپلز پارٹی زندہ باد" "زندہ ہے زندہ ہے شیر پاؤ زندہ ہے" کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں ان کا پرجوش استقبال کیا گیا۔

اجلاس میں ملک کی موجودہ صورتحال گرد و پیش بالخصوص افغانستان اور ایران کے حالات، صوبے کے مسائل اور پارٹی کے تنظیمی امور پر تفصیل سے تبادلہ خیال کیا گیا چھ گھنٹے سے زیادہ دیر تک جاری رہنے والے اس اجلاس میں ہر ضلع سے آئے ہوئے ممبروں نے اپنے خیالات پیش کیے اور کمیٹی کو وہاں کے کارکنوں کے جذبات و احساسات سے آگاہ کیا۔

جناب آفتاب شیر پاؤ نے اپنی تقریر میں کارکنوں کے جذبے اور حوصلے کی بے حد تعریف کی۔ انہوں نے کہا کہ آج اس اجتماع کو دیکھ کر میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ موجودہ مشکلات اور آزمائش کے دور نے سرحد میں پیپلز پارٹی کو زیادہ مضبوط بنا دیا ہے اب یہ پارٹی صوبہ سرحد کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی ہے اور یہی وجہ ہے کہ پیپلز پارٹی جلد سے جلد انتخابات چاہتی ہے انہوں نے کہا کہ انتخابات میں پیپلز پارٹی کی کامیابی سے خائف "سیاسی بونے" آئے دن انتخابات کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ صوبہ سرحد کے غیور عوام پیپلز پارٹی اور اس کے قائد پر مکمل اعتماد کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ قائد عوام نے سپریم کورٹ میں جس عزم و حوصلے کا ثبوت دیا ہے اس سے تمام کارکنوں کے حوصلے مزید بلند ہو گئے ہیں اور وہ اپنے قائد کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

جناب آفتاب شیر پاؤ نے کہا کہ ہمارے عظیم لیڈر نے اپنے ملک و قوم پارٹی اور غریب عوام کے لیے جو قربانی دی ہے اور دے رہے ہیں اس کی انسانی تاریخ میں مثال نہیں ملتی اور آج دوست تو درکنار دشمن بھی ان کی عظمت کے قائل ہیں اور ان کی بصیرت و دانست کے گن گاتے دکھائی دے رہے ہیں انہوں نے کہا کہ پیپلز پارٹی ایک نظریاتی اور اصولی جماعت ہے اسی لیے قائد عوام نے تمام مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور اب دشمن اپنے ظلم سے خود خوف زدہ نظر آ رہا ہے۔

جناب آفتاب شیر پاؤ نے ان کارکنوں کو زبردست خراج تحسین پیش کیا جنہوں نے بحالی جمہوریت کی خاطر حال ہی میں خود سوزی کر کے عوام کے دلوں میں جمہوریت کی شمع روشن کی انہوں

پشاور یونیورسٹی میں ۱۳ دسمبر کو اسلامی جمعیت طلبہ کے مسلح حملہ میں زخمی ہونے والا ایک طالب علم خیبر ہسپتال میں زیر علاج ہے

نے کہا کہ ان جیالوں اور جاں نثاروں نے جس عظیم قربانی کی بنیاد رکھی ہے اس سے غریب عوام کی کامیابی یقینی ہو گئی ہے انہوں نے قید اور کوڑوں کی سزائیں پانے والے پارٹی ورکروں کو بھی خراج تحسین پیش کیا اور ان سزاؤں کو ایسے تمغوں سے تعبیر کیا جو جمہوریت پسندوں کے لیئے ایک انمول خزانہ ہوتے ہیں انہوں نے کہا کہ پارٹی ان کی قربانیوں کو کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ جناب آفتاب شیرپاؤ نے پارٹی کے عہدے داروں کو ہدایت کی کہ وہ ورکروں سے زیادہ سے زیادہ رابطہ قائم کریں اور انتخابی نقطۂ نظر سے بھی پارٹی کیلئے سرگرمیاں تیز کریں کیونکہ پیپلز پارٹی جمہوریت پر یقین رکھتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ ملک میں جلد از جلد انتخابات کرائے جائیں ورنہ پیپلز پارٹی انتظامیہ کو انتخابات کرانے پر مجبور کر سکتی ہے

پشاور یونیورسٹی ان دنوں کچھ عرصہ سے جماعت اسلامی کی بغل بچہ تنظیم اسلامی جمعیت طلبہ کی خالص "اسلامی" سرگرمیوں کی آماجگاہ اور امن و قانون کے ساتھ آنکھ مچولی کے لیئے محفوظ پناہ گاہ بنی ہوئی ہے جہاں انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ اس عظیم درسگاہ کے تقدس کو پامال کیا جا رہا ہے کھلے بندوں یونیورسٹی کے واجب الاحترام اساتذہ کی پگڑیاں اچھالی جا رہی ہیں انتظامیہ کو ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے پرامن طلبہ تشدد کا نشانہ بنائے جا رہے ہیں اور عملاً کسی بڑے فتنہ و فساد کی ریہرسل کی جا رہی ہے۔

اسلامی جمعیت طلبہ نے اپنی ان سرگرمیوں کیلئے یونیورسٹی کو تختۂ مشق بنانے کا آغاز صوبہ سرحد کے کالجوں کے گذشتہ انتخابات میں اپنی عبرتناک شکست اور پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی کامیابی کے بعد ہی کر دیا تھا اس مہم کا مقصد مخصوص افراد کے اشاروں پر مخصوص اغراض کے تحت یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر جناب اسماعیل سیٹھی کو جو کبھی طلباء کی کسی تنظیم کو سٹوڈنٹس یونینوں کے انتخابات میں دھاندلی کی اجازت دینے کیلئے تیار نہیں ہوئے اور اپنے شریف النفس اور حلیم الطبع ہونے کے باعث طلباء میں بیحد مقبول ہیں تبدیل کرانا اور کسی "صالح" وائس چانسلر کے تقرر کے لیئے راہ ہموار کرنا ہے تاکہ وہ یونیورسٹی کے آئندہ ہونے والے انتخابات میں پنجاب یونیورسٹی کے مشہور عالم جھرلو نیم الیکشن کی طرز پر یہاں بھی جمعیت کی کامیابی کا راستہ صاف کر سکے۔

اس غرض کیلئے ایک سہ ماہی منصوبے پر عمل ہو رہا ہے جس کے تحت آئندہ اپریل مئی میں یونیورسٹی کے انتخابات سے پہلے یونیورسٹی میں امن و امان کا مسئلہ پیدا کر کے انتظامی تبادلے کرائے جائیں گے۔ اور کلیدی آسامیوں پر بشمول وائس چانسلر جماعت کے طابع فرمان اساتذہ کا تقرر کرایا جائے گا پھر انکی نگرانی میں اسٹوڈنٹس یونین کے انتخابات کا ڈھونگ رچا کر پشاور یونیورسٹی میں بھی جمعیت کی فتح کے جھنڈے گاڑنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس منصوبے کی ایک جھلک گذشتہ ماہ اس وقت دیکھنے میں آئی جب یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت طلبہ کے کارکنوں نے جو وائس چانسلر کے تبادلے کا مطالبہ کر رہے تھے اچانک وائس چانسلر کے دفتر پر دھاوا بول دیا اتفاق سے وائس چانسلر اس وقت کسی میٹنگ میں شرکت کی غرض سے گئے ہوئے تھے جمعیت کے کارکنوں نے عمارت کے احاطے میں رکھے ہوئے گملے اور دوسری اشیاء توڑ ڈالیں اور وائس چانسلر کے دفتر پر قبضہ کر کے

آزمائش نے پیپلز پارٹی کو زیادہ مضبوط بنا دیا ہے

جمعیت کا ایک ناظم بزعم خود وائس چانسلر کی کرسی پر براجمان ہو کر "وائس چانسلر" بن بیٹھا۔ بعد ازاں یہ وائس چانسلر دفتر کو اپنا تالہ لگا کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔ قانون کے محافظ کھلی قانون شکنی کی اس واردات پر قانون کو حرکت میں لانے میں ناکام رہے۔

سہ ماہی منصوبے کے دوسرے حصے پر عملدرآمد کا آغاز "اصلاح معاشرہ" کی مہم کے ساتھ ہوا۔ جمعیت نے اصلاحِ معاشرہ کے ساتھ ساتھ "اصلاح اساتذہ و تلامذہ" کا بیڑہ بھی اٹھایا چنانچہ یونیورسٹی، اساتذہ اور سیاسی اختلاف رکھنے والے طلباء کو خالص "اصلاحی" جذبہ کے تحت نشانۂ ستم بنایا جا رہا ہے اساتذہ میں مہم کا آغاز وائس چانسلر سے کیا گیا ہے چنانچہ اس مہم کے دوران ۱۱ دسمبر کو اچانک جمعیت پر منکشف ہوا کہ یونیورسٹی کیمپس میں "دی میسیج" نامی انگریزی فلم دکھائی جا رہی ہے جمعیت نے فلم کی مبینہ نمائش کے لیئے وائس چانسلر کو گردن زدنی ٹھہرایا۔ اور انہیں فوراً عہدے سے ہٹانے کا مطالبہ کر کے پھر نو داغ دیا نہ صرف یہ کہ نیک طینت اور تہجد گزار وائس چانسلر الحاج محمد اسماعیل سیٹھی کے خلاف اخبارات میں دشنام طرازی کی مہم شروع کر دی گئی بلکہ یونیورسٹی کیمپس میں توڑ پھوڑ اور تشدد کا بازار بھی گرم کیا گیا۔ ۱۳ دسمبر کو ایک مسلح جلوس نکالنے کا پروگرام بنایا پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے طلباء نے بھی جو اسلامی جمعیت طلبہ کی طرف سے مسلسل اشتعال انگیزیوں اور یونیورسٹی کی پرامن فضا کو مکدر کرنے کی کوششوں سے تنگ آئے ہوئے ہیں جمعیت کے خلاف اپنا جلوس نکالا اس میں یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے عہدے دار بھی جن کا تعلق پیپلز اسٹوڈنٹس

پشاور یونیورسٹی کیمپس میں اسلامی جمعیت طلبہ کے کارکن وائس چانسلر کے خلاف مظاہرہ کر رہے ہیں

قومی اتحاد کو مضبوط بنایئے، وفاق کی صوبوں کو ہدایت

نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے سربراہ سردار شیرباز مزاری نے گزشتہ دنوں پشاور میں اپنی پارٹی کے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے انکشاف کیا ہے کہ مارشل لاء حکومت کے مرکزی سیکریٹریٹ سے چاروں صوبوں کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں کو ایک سرکلر جاری کیا گیا ہے جس میں ان کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے اپنے صوبوں میں قومی اتحاد کو مضبوط کریں۔ شیرباز مزاری کے مطابق اس سرکلر کے بعد حکومت کی جانبداری بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ شیرباز مزاری نے اس سرکلر کی تمام تفصیلات نہیں بتائیں تاہم ان کا اتنا اشارہ ہی کافی ہے۔ اب چاروں صوبوں کی مارشل لاء انتظامیہ اپنے اپنے صوبوں میں قومی اتحاد کو کس طرح "بلڈ" کرتی ہے۔ یہ تو حالات ہی بتائیں گے مگر حکومت کے اس مبینہ اقدام سے سیاسی حلقوں میں جو تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے وہ انتہائی خطرناک نتائج کا باعث بن سکتی ہے۔

شیرباز مزاری کی اطلاع پر اس لئے بھی یقین کیا جا سکتا ہے کہ ایک تو وہ اس قومی اتحاد کا حصہ رہے ہیں جو اب فوجی حکومت کا حصہ ہے اور پھر ان کے جنرل ضیاء الحق سے براہ راست تعلقات بھی ہیں۔

فیڈریشن سے ہی شامل تھے۔

جمعیت کے طلبہ اسٹوڈنٹس ٹیچرز سینٹر میں جلسہ کرنے کے بعد جلوس کی شکل میں مسلح باہر نکلے تو نعرے بازی اور اشتعال انگیزی کے نتیجے میں دونوں گروپ گتھم گتھا ہو گئے دونوں نے ایک دوسرے پر پتھراؤ کیا پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے الزام لگایا ہے کہ اس دوران جمعیت کی طرف سے پستول سے گولی بھی چلائی گئی تصادم میں تیرہ طلبہ زخمی ہوئے ان میں اسلامیہ کالج کے طالب علم اور پختون رہنما ارباب محمد طاہر

خان شدید زخمی ہوئے۔ زخمیوں میں اسلامیہ کالج کے علاوہ خیبر میڈیکل کالج اور ایگریکلچرل کالج کے طلباء بھی شامل تھے۔

اتنے بڑے واقعہ کے ذمہ دار افراد سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی اگلے دن ہوم سیکریٹری جہانزیب خان نے یونیورسٹی میں آکر صلح صفائی کرانے کی کوشش کی اور ظلم کی مبینہ نمائش کا تصفیہ نمٹانے کے لئے ایک مشترکہ کمیٹی قائم کر دی جس میں مختلف طالب علم تنظیموں کے نمائندے شامل کیے گئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ طلباء کی کوئی تنظیم اب اس موضوع پر کوئی بیان بازی نہیں کرے گی اور نہ جلسہ جلوس کرے گی۔ لیکن اسلامی جمعیت طلبہ کے کارکن بدستور جلسے کرتے رہے اور جلوس نکالتے رہے اب صوبہ سرحد کے گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر لیفٹیننٹ جنرل فضل حق نے اس واقعہ کی تحقیقات کے لئے سب مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بریگیڈیئر حفیظ الرحمان کی سربراہی میں ایک مارشل لاء انکوائری ٹیم مقرر کر دی ہے جس نے اپنے کام شروع کر دیا ہے حکومت اگر صوبے میں امن و سکون کی موجودہ مثالی فضا برقرار رکھنا چاہتی ہے تو سیاسی مقاصد کے لئے ہلڑ بازی کے ایسے واقعات میں ملوث عناصر کو لگام دینی ہوگی ورنہ اس طرح کے واقعات کسی بڑے واقعہ کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے طلباء میں اسلامی جمعیت طلبہ کے کارکنوں کی ان سرگرمیوں پر شدید اشتعال پایا جاتا ہے پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن صوبہ سرحد کے چیئرمین جناب اعظم آفریدی کا کہنا ہے کہ اسلامی جمعیت طلبہ سابق مشرقی پاکستان میں جماعت اسلامی کی لعل بچہ تنظیم اسلامی چھاترو سنگھو کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے پشاور یونیورسٹی کو ڈھاکہ یونیورسٹی میں تبدیل کرنا چاہتی ہے اور یہاں البدر الشمس کی تخریبی کارروائیوں کی تاریخ دہرانا چاہتی ہے لیکن محب وطن طلبہ نے پختہ عزم کر رکھا ہے کہ ان کے ناپاک عزائم کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے اور کسی کو مذہب کی آڑ میں غنڈہ گردی کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

اعظم آفریدی نے نمائندہ "ذوالفقار" کو ایک ملاقات میں بتایا کہ اسلامی جمعیت طلبہ نے ۱۳ دسمبر کو مذہب کی آڑ لیکر وائس چانسلر کے خلاف جلوس نکالنے اور کیمپس میں تشدد کا پروگرام بنایا تھا اس سے پہلے بھی جمعیت کے کارکن وائس چانسلر کے دفتر کا گھیراؤ کر کے دفتر پر قبضہ کر چکے تھے لیکن اب وہ مذہب کی آڑ لیکر یونیورسٹی کے پرامن ماحول کو خراب کرنا چاہتے ہیں انہوں نے کہا کہ اگر جلوس نکالنے سے جمعیت کا مقصد واقعی محض "دی میسج" کی مبینہ نمائش کی تحقیقات کا مطالبہ منوانا تھا تو اسے یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین اور صوبہ سرحد میں طلباء کی سب سے بڑی تنظیم پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن سے بات چیت کرنی چاہئے

تھی تاکہ اس سلسلہ میں مشترکہ طور پر متعلقہ حکام سے رجوع کیا جاتا لیکن اس کے برعکس جب پیپلز اور پختون کے طلبہ اور یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کے منتخب نمائندے واقعہ کی تحقیقات کے مطالبے پر زور دینے کے لیے جلوس کی شکل میں آ رہے تھے تو جمعیت کے کارکنوں نے حملہ کر دیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے عزائم کچھ اور تھے۔

پشاور میں قائداعظمؒ کے یوم ولادت کے موقع پر مسلم لیگ کے دونوں دھڑوں نے اپنے الگ الگ اجلاس منعقد کیے تھے دونوں اجلاسوں میں جو قدر مشترک دیکھنے میں آئی وہ یہ تھی کہ دونوں دھڑوں کے مقررین پیچ چھاڑ کر ایک دوسرے پر "حملہ آور" ہوئے اور دونوں نے ایک دوسرے کو مسلم لیگ اور قائداعظم کے نصب العین سے غداری کا مرتکب ٹھہرایا۔

مسلم لیگ "ٹھگ گروپ" (بقول پیر صاحب پگارا) کا اجلاس سکندر ٹاؤن میں حافظ عبدالقیوم کی رہائش گاہ پر منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں اخباری اعلانات کے مطابق سابق فٹ کانسٹیبل چوہدری ظہور الہٰی، فدا محمد خان اور ڈبل بیرل نیم خان عبدالقیوم خان کو بھی شرکت کرنی تھی لیکن کارکن جب حافظ ہاؤس پہنچے تو وہاں پہاڑ کھودنے سے "ٹھگ لیگ" کے سربراہ محمد حسین چٹھہ اور صاحبزادی محمودہ بیگم

محمودہ بیگم نے پگارا کو بھٹو کا آدمی ہونے کا سرٹیفکیٹ دیدیا

برآمد ہوئے ہروور میں تھالی کے بیگن محمد یوسف خٹک بھی اس موقع پر موجود تھے چھٹہ صاحب نے حسب معمول اپنی مسلم لیگ کو قائداعظم کی حقیقی اور اصلی تے وڈی مسلم لیگ قرار دیا اور دوسرے گروپ میں شامل لیگیوں کو مفاد پرستوں کے ٹولے سے تعبیر کیا صاحبزادی محمودہ بیگم نے تو پیر پگارا کو بھٹو کا آدمی تک قرار دے ڈالا۔ اور الزام لگایا کہ پی این اے کی ڈالر نیم تحریک کے دوران پیر صاحب بھٹو سے ملے ہوئے تھے وہ سرکاری خرچ پر راولپنڈی کے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں مقیم رہے لیکن نام نہاد لانگ مارچ کی قیادت کرنے باہر نہ نکلے۔

دوسری طرف پگارا گروپ کے اجلاس میں جو اسٹیڈیم روڈ پر حاجی یونس الٰہی کی اقامت گاہ پر منعقد ہوا خان قیوم پر کڑی نکتہ چینی کی گئی اس اجلاس میں پگارا لیگ کے سیکرٹری جنرل اور "ڈکٹیٹر کون" کے مصنف ایس ایم ظفر کے علاوہ جن لوگوں نے شرکت کی ان میں ایوب خان کے زمانے کے مشہور "چینی چور" نوابزادہ عبدالغفور خان ہوتی بھی تھے ایک مقرر میجر صادق قریشی نے جماعت اسلامی مفتی جمعیت اور حقہ پارٹی کا نام لیئے بغیر حکومت میں شامل بعض پارٹیوں کو پاکستان کی مخالف قرار دیا انہوں نے انکشاف کیا کہ پاکستان کو توڑنے کی سازش میں خان قیوم بھی شریک تھے جو اپنے جرائم سے پردہ ہٹنے کے ڈر سے فوجی حکمرانوں کے اعزازی مشیر برائے امور سرحد، بلوچستان و قبائل کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

اجلاس میں لوگوں نے خان قیوم اور ظہور الٰہی کو مسلم لیگی کے لبادے میں کانگریسی کا خطاب دیا "ڈکٹیٹر کون" کے مصنف سید بادشاہ نے اپنی تقریر میں یہ راز سرعام فاش کر کے حاضرین کو چونکا دیا کہ ۴، اور ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کی درمیانی رات کو پاکستان کی واحد منتخب آئینی حکومت کا تختہ الٹنے کی جو مہم سر کی گئی اس کی کمان "دیس کے بادشاہ" پیر صاحب پگارا کر رہے تھے اور یہ کہ منصوبہ بنانے والے اس رات پیر صاحب سے مسلسل رابطہ قائم کیئے رہے سید بادشاہ نے یہ انکشاف کر کے ملک میں مارشل لار لگوانے کا وہ سہرا جو اب تک اصغر خان نے بڑے فخر سے اپنے سر باندھ رکھا تھا نوچ کر پیر صاحب کے "زیب ِ تن" کر دیا ہے۔

جناب ایس ایم ظفر دراصل اپنے مسلم لیگی ورکروں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ جنرل ضیاء، پیر صاحب کے ساتھ ہیں موجودہ کھنچاؤ کوئی مستقل چیز نہیں ہے اور بالآخر جنرل ضیار پیر صاحب سے رجوع کریں گے لہٰذا کارکنوں کو چاہیئے کہ وہ "بددل" نہ ہوں صوبوں کی وزارتوں اور بلدیات میں جب بندر بانٹ ہوگی تو اس میں انہیں بھی شریک کیا جائے گا۔ لیکن جونتس خطابت میں ظفر صاحب اندر کے احوال بھی سنا گئے ویسے بھی جاننے والے بتاتے ہیں کہ محض وزارتوں کا جھگڑا ہے جس کی وجہ سے پیر صاحب ابھی روٹھے ہوئے ہیں۔

ان حلقوں کے مطابق ایک وقت تھا جب جنرل ضیار فوج کے باقاعدہ ملازم ہوتے ہوئے پیر صاحب سے ملاقاتوں میں یقین دلاتے تھے کہ میرا ذہن اور میرا دل مسلم لیگی ہے میں مسلم لیگ کو ملک کی سب سے بڑی جماعت سمجھتا ہوں اور جب کابینہ بناؤں گا تو اس میں مسلم لیگ کو "میجر شیئر" دوں گا لیکن پیر صاحب کو کیا معلوم تھا کہ اسی طرح کے عہد و پیمان منصورہ شریف میں پیر صاحب سید مودودی کے ساتھ بھی ہو چکے تھے لہٰذا اگرچہ مسلم لیگ پہلے پی این اے کے بغیر ہی کابینہ میں شامل ہوئی تھی جب دوسری پارٹیاں بھی چور دروازے سے "اندر" آگئیں تو سارا تر مال جماعت اسلامی اڑا لے گئی۔ پرمٹوں اور لائسنسوں کی تقسیم لوگوں کو ملازمتوں کا لالچ دیکر ساتھ ملانے اور ریڈیو ٹی وی، پریس کے ذریعہ خود کو ملک کی سب سے بڑی پارٹی ثابت کرنے کا ڈھنڈورا پیٹنے والی وزارتیں اس پارٹی کو مل گیئں پیر صاحب کو صرف جھنجھنے پر بہلا دیا گیا حتیٰ کہ پیر صاحب کے من پسند وزیر بھی نہ لیئے گئے اس پر پیر صاحب کہاں نچلے بیٹھ سکتے تھے آستینیں چڑھا کر جنرل ضیار کے پاس جا پہنچے اور اہم وزارتیں دینے کا مطالبہ کیا ورنہ پھر وزیر واپس بلا لینے کی دھمکی دی۔

ان حلقوں کا کہنا ہے کہ جنرل ضیار نے پہلے پیر صاحب کو دلاسا دیا اور یقین دلایا کہ وہ مسلم لیگ کی "حیثیت عرفی" کا "ازالہ" کر دیں گے لیکن جب ایسا ہوتا نظر نہ آیا تو پیر صاحب نے اپنی ورکنگ کمیٹی سے وزیروں کو واپس بلا لینے کا اختیار حاصل کر کے جنرل ضیاء کو بتا دیا کہ وہ ایسا کرنے والے ہیں۔ دوسری طرف جنرل ضیار نے یہ بات اپنے مسلم لیگی وزیروں کے کان میں ڈال کر انہیں پیر صاحب کے خلاف بھڑکا دیا اس طرح دونوں طرف سے محاذ آرائی کی تیاریاں شروع ہو گئیں واقفانِ حال بتاتے ہیں کہ جس روز فیصل آباد میں پیر صاحب کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد مرتب ہو رہی تھی تو جنرل ضیار اور ان کے مسلم لیگی وزرار فیصل آباد میں موجود تھے۔ ۲ نومبر کو لاہور میں دونوں گروپوں کے درمیان "سیز فائر" ہوئی۔ اور اگر یہ سیز فائر نہ ہوتی تو فائر یقیناً ہو چکا ہوتا کیونکہ سابق نٹ کانسٹیبل اپنے سٹین گن بردار حالیوں موالیوں کو لے کر حملہ کرنے مسلم لیگ ہاؤس پہنچ چکے تھے اور سرحد کے ایک مسلم لیگی کو ظہور الٰہی کا گریبان پکڑ کر کہنا پڑا۔ "اوئے چودھری غنڈہ گردی چھوڑ دے"۔

بہرحال یوم قائداعظم پر مسلم لیگ کے دونوں دھڑوں کے الگ الگ اجلاسوں اور ان اجلاسوں میں ہونے والی تقریروں سے لوگوں پر واضح ہو گیا کہ قائداعظمؒ کے یہ نام نہاد نام لیوا اور خود کو بانیٔ پاکستان کے ترکے کا بلاشرکت غیرے وارث قرار دینے والے عوام کو قائداعظمؒ کے اصولوں اتحاد تنظیم اور یقین محکم پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں لیکن ان کا اپنا کیا حال ہے وہ اتحاد اور تنظیم دونوں چیزوں سے عاری ہیں البتہ شاید ابھی "یقین محکم" موجود ہے۔

محمود شام

کی تازہ اردو اور پنجابی نظموں کا مجموعہ

نوشتۂ دیوار

ایسی طویل اور مختصر نظمیں جو کہیں شائع ہو سکیں اور نہ سنائی جاسکیں

صرف وہی آرڈر قابل تعمیل ہوں گے۔ جن کے ساتھ مطلوبہ تعداد کی قیمت ڈرافٹ یا منی آرڈر کے ذریعے پیشگی بھیجی جائے گی

کتاب فروش حضرات ۳۳٪ کے حساب سے

خوبصورت کتابت، خوبصورت طباعت

سفید کاغذ، مضبوط جلد

قیمت: ۲۰ روپے

نیشنل فورم

پوسٹ بکس ۳۱۹۶

کراچی ۲۹

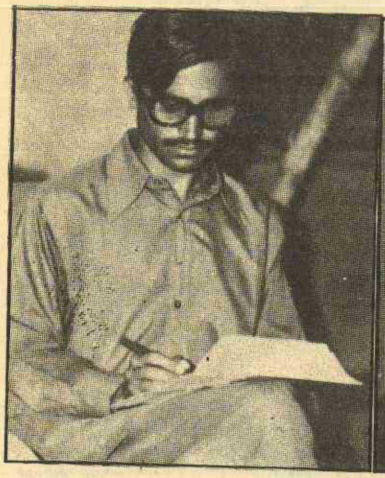

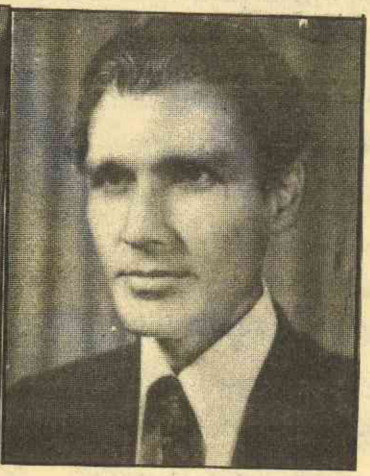

پاکستان عوامی تحریک کے سیکرٹری جنرل جناب رسول بخش پلیجو سے شریف زاہد کا انٹرویو

فوج بیرکوں میں نہیں گئی تو حالات مزید ابتر ہو جائیں گے

سندھ کے عوام پنجاب کے عوام سے طبقاتی جدوجہد تیز کرنے کا عمل سیکھ سکتے ہیں

پچھلے دنوں عوامی تحریک کے سیکرٹری جنرل جناب رسول بخش پلیجو پنجاب کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔ اتفاقاً میں بھی لاہور کی ایک ایسی ورکرز میٹنگ میں پہنچ گیا جس سے قومی محاذ آزادی کے کنوینر جناب معراج محمد خاں اور جناب رسول بخش پلیجو نے خطاب کیا۔ قومی محاذ آزادی لاہور کے کنوینر جناب ارشد بٹ نے میرا پلیجو صاحب سے تعارف کرایا اور میری درخواست پر انہوں نے مزدور کسان پارٹی پنجاب کے رہنما لطیف چوہدری کے مکان واقع ریلوے گارڈن پر ملاقات کے لئے وقت دیا۔ موصوف کے خیالات سوال وجواب کی صورت میں قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

س : سندھ میں متعدد قومی تنظیمیں کام کر رہی ہیں اور خصوصاً جئے سندھ جیسی قومی تحریک کے ہوتے ہوئے عوامی تحریک بنانے کی کیا ضرورت پیش آئی ؟

ج : اس میں صرف طالب علم ہیں اور ان کا انحصار طالب علموں اور مڈل کلاس کے حصول پر ہے۔ کوئی بھی قومی جدوجہد اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ قوم کی وسیع اکثریت جو کسانوں۔ شہری غریبوں اور دوسرے محنت کشوں پر مشتمل ہے اس میں شامل نہ ہو۔ اگر قومی جدوجہد کا تجزیہ کیا جائے تو وہ ایک طبقاتی جدوجہد ہے اس لئے ہم نے "عوامی تحریک" کے نام سے ایک الگ تنظیم قائم کی ہے جو قومی اور طبقاتی جدوجہد کو یکجا کرتی ہے۔ قوم کے وسیع غریب طبقے کو متحد کرتی ہے اور قوم کو اس عظیم انقلابی جدوجہد کا حصہ بناتی ہے جو انقلابی جدوجہد پوری دنیا اور ہمارے ملک میں جاری ہے۔ عوامی تحریک کے قیام کا مقصد انقلابی مقاصد کو پورا کرنا ہے۔

س : آپ کا دورہ پنجاب سیاسی طور پر غالباً زندگی میں پہلی بار ہے پنجاب میں آکر آپ نے کیا محسوس کیا ہے ؟

ج : پنجاب میں آکر معلوم ہوا کہ یہاں کے وسیع غریب عوام کو ملک کے دوسرے صوبوں اور لوگوں کے مخصوص مسائل، مصائب و مشکلات کے متعلق جان بوجھ کر بے علم رکھا گیا ہے خصوصاً قومی

عوامی تحریک

پاکستان پیپلز پارٹی کی

حمایت کرتی ہے

جبر کے سلسلے میں انہیں بالکل اندھیرے میں رکھا گیا ہے میں نے محسوس کیا کہ یہاں قومی جبر کے سلسلہ میں اور قومی جبر کے خلاف جدوجہد کا طبقاتی جبر کے خلاف جدوجہد سے جو اٹوٹ رشتہ ہے اور اس کا جمہوری جدوجہد میں جو بنیادی مقام ہے اس کے متعلق نظریاتی تعلیم کا بہت فقدان ہے اس کے برعکس طبقاتی شعور کا معیار سندھ سے بلند ہے۔ میرے خیال میں سندھ کے عوام صوبہ پنجاب کے عوام سے طبقاتی جدوجہد کو تیز کرنے کے بارے میں بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں اور ان کو سیکھنا چاہیئے۔ پنجاب کے عوام کو اور انقلابی کارکنوں کو قومی مسئلے کے حوالے سے قومی۔ طبقاتی اور جمہوری جدوجہد کی ہمہ جہتی تقاضوں کا نسبتاً زیادہ بھرپور شعور حاصل کرنا ہوگا۔ یہاں کے لوگ مخصوص حالات کے مدنظر جمہوریت دشمن قوتوں کے خلاف اپنے خیالات کا پہلے کی نسبت اور کچھ باتوں میں ملک کے دیگر حصوں کی نسبت زیادہ واضح اور اعلانیہ اظہار کرتے ہیں۔ میں نے قومی مسئلے پر بھی بہت سارے کارکنوں کے رویئے میں واضح خوشگوار فرق محسوس کیا ہے۔ پہلے پنجاب کے کارکن قومی مسئلے پر بات تک کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے کیونکہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک حکمران طبقوں اور یہاں کے بورژوا اخبارات نے "قومی مسئلے" کو اور رنگ میں پیش کیا لیکن اب پنجاب کے کارکنوں کا قومی مسئلے پر اتنا شعور بلند ہو گیا ہے کہ ان کے پاس جا کر بغیر کسی تصنع اور رکھ رکھاؤ کے اس مسئلہ پر بات کی جاسکتی ہے۔ پنجاب کے سیاسی کارکنوں کا شعور کافی بلند ہو چکا ہے ہم ان سے کافی کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ پاکستان کی مظلوم قوموں اور پنجاب کے لوگوں کے درمیان نظریاتی ہم خیالی، عمل و یک جہتی کے پل باندھے جاسکتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ پنجاب کے سیاسی کارکنوں کا جو فرض ہے اسے وہ احسن طریقے سے پورا کریں گے۔

س : آپ بائیں بازو کے اتحاد کے لئے کوشاں ہیں کیا آپ مطمئن ہیں کہ بائیں بازو کا ایک ملک گیر اتحاد ہو جائیگا ؟

ج: اگر ہم نے انتھک جدوجہد کی اور اپنی کوششوں پر مضبوطی سے قائم رہے اس سلسلہ میں جو اونچ نیچ اور دیگر درپیش مسائل ہیں ان سے خائف نہ ہوئے تو یہ اتحاد ہونا ناگزیر ہے اور ہو کر رہے گا۔

س: کیا دائیں بازو کی جماعتوں کی طرح بائیں بازو کی جماعتوں یا گروپوں کا اتحاد بہتر ہے یا کہ ایک ملک گیر انقلابی جماعت کو تشکیل دینا زیادہ بہتر ہوگا؟

ج: میں جس طرح اس مسئلے کو دیکھتا ہوں وہ یوں ہے کہ ان دونوں باتوں کا انحصار ایک دوسرے کی نفی کرنے کی بجائے ایک دوسرے کی تکمیل پر ہے۔ اگر ایک ملک گیر پارٹی ہوگی تو ترقی پسند قوتوں کا اتحاد زیادہ کامیابی سے چلے گا اگر ترقی پسند گروپوں اور جماعتوں کا اتحاد موجود ہے تو وہ ملک کے مختلف حصوں کے کارکنوں کو یکجا کرکے اور ان میں نظریاتی اور عملی یک جہتی پیدا کرکے اور رفتہ رفتہ بتدریج سازگار ماحول پیدا کرے گا جس میں کہ ملک کے مختلف لوگوں کو قومی مسئلوں کے باوجود ایک ہی انقلابی جماعت کے تلے منظم و متحد ہونے کے قابل بنائے گا پاکستان کے مخصوص حالات میں ایک ملک گیر انقلابی تنظیم کے لئے کچھ ابتدائی شرطوں

بھٹو کو کچھ ہوا تو پاکستان سندھیوں کے لئے اجنبی بن کر رہ جائے گا

کو پورا کرنا ناگزیر ہے ان میں ایک ملک کے عوام کو غلامی کی زنجیروں اور ظالمانہ نظام سے نجات دلانے کے لئے صحیح نظریہ حکمت عملی اور تدبیروں کا طے ہونا ایک شرط ہے۔ ایسا پلیٹ فارم جس کے ذریعے آپس میں ایک دوسرے کے خیالات کا تبادلہ کرسکیں یہ دوسری شرط ہے۔ ان بنیادی شرائط کو پورا کرتے ہوئے ایک وسیع عوامی جمہوری محاذ کا قیام عمل میں لانا چاہیئے۔

س: بائیں بازو کی جماعتوں کا اتحاد کن نکات پر ہوگا۔

ج: بائیں بازو کے اتحاد کے لئے بھی اوپر بیان کئے گئے نکتوں پر متفق ہونا ضروری ہے۔ عوامی تحریک ملک میں جمہوری نظام قائم کرنے۔ قومی مسئلے کا جمہوری حل۔ سامراج دشمن جدوجہد میں شرکت، آزاد خارجہ پالیسی۔ عقیدے اور ضمیر کی آزادی اور دیگر انسانی حقوق اور جمہوری آزادیاں جو بین الاقوامی طور پر تسلیم کی گئی ہیں ان

س: عوامی تحریک کا پاکستان پیپلز پارٹی سے کوئی تعلق ہے؟

ج: پیپلز پارٹی کے دور میں عوامی تحریک کے بے شمار کارکن جیلوں میں بند رہے ہیں۔ خود بھٹو صاحب نے اقتدار سے جاتے جاتے جیل سے مجھے نہیں نکالا نتیجتاً وہ بھی جیل میں ہیں ہم ان کے خلاف بھی لڑتے رہے ہیں اور اب بھی حکومت سے نبرد آزما ہیں لیکن ہماری سیاست ذاتی پسند یا ناپسند پر نہیں ہے بلکہ عوام کے وسیع تر مفادات اور تاریخی حالات کے تجزیئے کے حوالے سے اب تک ہمیں ہر حکومت نے جیل میں ڈالا اور اپنا دشمن سمجھا۔ آج بھی ہمارے بے شمار کارکن جیلوں میں بند ہیں اور حکومت سے مخالفت ہے۔ حکومت کی غلطیوں پر تنقید جاری رکھے ہوئے ہیں جس طرح ہمارے کارکنوں کے ساتھ زیادتیاں ہورہی ہیں۔ اسی طرح پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے ساتھ زیادتیاں ہورہی ہیں اس لئے "عوامی تحریک" پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے لئے جدوجہد کرنے والے ترقی پسند گروپوں اور جماعتوں سے ہر وقت اتحاد کرنے کے لئے تیار ہے۔

س: صوبہ سندھ کے حالات پہلے کی نسبت اب کیا ہیں؟

ج: سندھ میں آج ایک ہی سوال ہے جو سب کی زبان پہ ہے اور اس پر سندھ کے لوگ سوچ رہے ہیں کہ بھٹو کا کیا بنے گا، یہ سوال سندھ کے عوام کی نظر میں۔ قومی جمہوری، طبقاتی امنگوں اور خدشوں کی ترجمانی کرتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر بھٹو کو کچھ ہوا تو پاکستان ان کے لئے ایک اجنبی بن کر رہ جائے گا یہی سوال ان کی سوچوں اور فکروں کا محور ہے۔ ہم یا کوئی اور اس سوال کو لوگوں کے ذہنوں سے نکالنے کی لاکھ کوشش کرے ایسا قطعاً ممکن نہیں ہوسکتا۔ اس وقت ہر چیز بھٹو کی زندگی کے حوالے سے ہے اس بات کو چھپانا بے ایمانی ہوگی۔ سندھ کے وڈیرے ننگے ہوچکے ہیں۔ عوام ان کو مفاد پرست اور غدار سمجھتے ہیں۔ مہاجر بدستور رجعت پسندوں کے ساتھ ہیں لیکن ان پر بڑی تیزی سے یہ حقیقت واضح ہورہی ہے کہ صرف کسی فرد کو ختم کرنے سے ان کے مسائل ختم نہیں ہوں گے۔ وہ یہ بھی بخوبی سمجھتے ہیں کہ جن رہنماؤں کے پیچھے اتنی دیر تک چلتے رہے ہیں وہ کچھ قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ معاملہ کچھ آگے بڑھا ہے۔

کی حمایت کرتی ہے ممکن ہے کہ کل پھر پیپلز پارٹی برسرِ اقتدار آکر ہمیں پھر جیلوں میں بند کردے لیکن موجودہ دور میں عوامی جمہوریت کی بحالی کی خاطر اس کی حمایت کرتے ہیں۔

س: موجودہ ملکی صورتحال کیا ہے؟

ج: بڑی خراب ہے گھٹن ہے۔ لوٹ کھسوٹ، مہنگائی رشوت، دہشت گردی ہے اور سب چیزیں پہلے سے بھی زیادہ نایاب ہیں۔ لوگ تنگ آچکے ہیں، حکمران طبقے کے پاس بھی کچھ نہیں ہے جو کہ عوام کو دے سکے۔ پنجاب کو چاہیئے کہ بڑے بھائی کا کردار ادا کرے اور چھوٹے صوبوں اور عوام کے حقوق و مفادات کی خاطر آواز بلند کرے جب تک ملک بھر کے جمہوریت پسند طبقے متحد ہوکر آگے نہیں بڑھتے۔ اس بحران پہ قابو نہیں پایا جاسکتا۔

س: ملک کو درپیش مسائل کا حل کیا ہے؟

ج: جب تک پورے ملک کے طلباء، مزدور، کسان، صحافی، وکلاء، اساتذہ، محنت کش اور سیاسی کارکن و رہنما آزاد نہیں کئے جاتے۔ نام نہاد احتساب کا عمل ختم نہیں کیا جاتا۔ جھوٹے مقدمات اور سزاؤں کو ختم نہیں کیا جاتا۔ جھوٹے مقدمات اور سزاؤں کو ختم نہیں کیا جاتا۔ تمام پارٹیوں کو مساویانہ حقوق دے کر آزادانہ و منصفانہ و غیر جانبدارانہ فوری طور پہ عام انتخابات نہیں کرائے جاتے تحریر و تقریر کی آزادی نہیں دی جاتی۔ اقتدار عوام کے منتخب عوامی نمائندوں کے حوالے نہیں کیا جاتا اور فوج سیاست میں اپنے عمل دخل کو ختم کرکے واپس بیرکوں میں جاکر سرحدوں کی حفاظت نہیں کرتی۔ اس وقت تک حالات ٹھیک نہیں ہوں گے بلکہ مزید ابتر ہوں گے۔

س: ملک گیر قومی جدوجہد میں ملک کے عوام کو شریک کرنے کے لئے آپ ایک قومی رہنما کی حیثیت سے کیا پروگرام رکھتے ہیں؟

ج: ہماری کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو متفق و متحد کرنے کے لئے حالات سازگار ہوسکیں۔ مختلف قومیتوں کے آپس میں فاصلے کم ہوں۔ محنت کشوں کے درمیان اتحاد ہو۔

س: ملک بھر کے عوام کے نام کیا پیغام ہے

ج: عوام سے درخواست کروں گا کہ وہ حکمران طبقوں کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ قومی و طبقاتی شعور کی سطح کو بلند کریں، ایک دوسرے کے قریب ہوں اور اپنے مسائل کا کھلے دل سے مطالبہ کریں۔ صدیوں سے پیدا تعصبات کو کھرچ کر دور کریں اور ایک دوسرے کے دل میں گھر پیدا کریں جب یہ سب باتیں طے ہوجائیں گی تو فتح آپ کے قدم چومے گی۔

عدلیہ کی اہم شخصیت کے خلاف
سپریم جوڈیشل کونسل سے شکایت

بخدمت

سپریم جوڈیشل کونسل

بتوسط عزت مآب چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان

صدر جوڈیشل کونسل

موضوع: مسٹر جسٹس مولوی مشتاق حسین چیف جسٹس

لاہور ہائیکورٹ، لاہور کے خلاف شکایت

عرض گزار بصد احترام، مسٹر جسٹس مولوی مشتاق حسین چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ، لاہور، کے خلاف درج ذیل شکایت اس معزز کونسل کے سامنے پیش کرتا ہے اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور ملک کے صدر سے اپنی شکایت کا ازالہ کروانے میں ناکام ہونے کے بعد اس اعلیٰ ترین ادارے سے از راہ مہربانی مداخلت کی درخواست کرتا ہے:-

۱: کہ عرض گزار پاکستان ایئر فورس کا ریٹائرڈ افسر ہے اور ملک کے قابلِ احترام خاندانوں میں سے ایک سے تعلق رکھتا ہے، میجر جنرل صاحبزادہ شیر جان کا بیٹا ہے، جو پاکستان آرمی کے پہلے جج ایڈووکیٹ جنرل تھے جو کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے پیچھے دوسروں کے لئے قابلِ تقلید روایات چھوڑی ہیں۔

۲: مختصراً عرض ہے کہ عرض گزار کے والدِ مرحوم نے ایک انگریز خاتون سے شادی کی اور اس زوجیت سے عرض گزار کی ایک سوتیلی بہن ہے جس کا نام جولیا ہے۔

۳: کہ عرض گزار کے والد کی ۱۹۶۸ء میں وفات کے بعد عرض گزار کے علم میں یہ بات آئی کہ مولوی مشتاق حسین کے اس خاتون سے گہرے قریبی تعلقات تھے اور ان کی یہ وابستگی ایک اسکینڈل میں تبدیل ہو رہی تھی جس میں عرض گزار کے خاندان کا نام اور عزت ملوث تھے۔ عرض گزار نے ذاتی طور پر ان تک رسائی حاصل کی کہ یا تو وہ اس تعلق سے کنارہ کش ہو جائیں یا پھر اس خاتون سے شادی کر لیں کیونکہ اس کے خاوند پہلے ہی طلاق دے چکے تھے۔ مولوی مشتاق حسین نے عرض گزار کو یہ تاثر دیا کہ ان کی اس خاتون سے وابستگی کی صرف ایک وجہ یہ تھی کہ وہ عرض گزار کے والد کے دوست تھے۔ عرض گزار نے ان سے صاف صاف کہا کہ لوگ اس پر یقین نہیں کریں گے کیونکہ ان کا اس خاتون کے علاوہ جنرل شیر جان کے خاندان کے کسی اور فرد اور خاص طور پر عرض گزار (سب سے بڑے بیٹے) کے گھر کبھی آنا جانا نہیں رہا ہے وہ عرض گزار کے مرحوم والد کے جنازے میں شریک نہیں ہوئے۔ نہ انہوں نے بعد میں کبھی تعزیت کی یا عرض گزار کے حقیقی بہن اور بہنوئی، بریگیڈیئر سیف الرحمٰن مرحوم وفات پا گئے اور جیسا کہ ہمارے معاشرے میں رواج ہے، انہوں نے کبھی تعزیت اور اظہار ہمدردی نہ کیا۔ اس کے علاوہ عرض گزار کو زندگی کے کئی نشیب و فراز سے گزرنا پڑا انہوں نے کبھی یہ پتہ لگانے کی کوشش بھی نہیں کی کہ جنرل شیر جان کے خاندان کا وجود ہے بھی یا نہیں مگر وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جولیا سے ان کی وابستگی اس بناء پر ہے کہ وہ جنرل شیر جان کی بیٹی ہے جو ان کے قول کے مطابق ان کے دوست تھے عرض گزار نے اوپر جو کچھ کہا ہے اس کے پیش نظر ان کی نیت انتہائی مشکوک ہے اور ان کے خاندان کے صرف ایک فرد سے وابستگی رکھنے کی وجہ سے جو ایک خاتون ہے ان کی نیت کے بارے میں بے شمار شبہات جنم لیتے ہیں اس لئے عرض گزار کی درخواست ہے کہ ان سے کہا جائے اگر انہوں نے اس خاتون سے

شادی کر لی ہے تو اس کا اعلان کر...

ان کے رتبے اور عہدے کے آ...

آفتاب کے بعد جولیا کے گھر مستقو...

ان کے لئے اور ان کے ساتھ ر...

جس کا رکن اور جز ہونے کا یہ خا...

کے بارے میں غیر ضروری اسکینڈ...

محتاط ہونا چاہیئے کیونکہ انہوں...

کے خلاف مقدمے کی سماعت...

وہ ملک کی عدلیہ میں ایک...

مخلصانہ درخواست کرتا ہے ک...

ناموس کو چادر اور چہار دیوا...

موجودہ حکومت نے وعدہ کیا...

اور چہار دیواری کو تحفظ دینے...

توڑ دیں۔ عرض گزار اس عرض...

ں کی ہے تو کر لیں کیونکہ
ب نہیں دیا کہ غروب
پر آئیں جائیں جس سے
یر جان کے خاندان ،
کرتی ہیں ہمکے ناموس
ہیں۔ انہیں اب اور زیادہ
کے سابق صدر اور وزیر اعظم
انہیں سزا سنائی ہے اور
ہیں۔ اس لئے عرض گزار
اس کے خاندان کے
فظ عطا کرے جس کا
ہکہ وہ لوگ جو جاد
کے اپنی ہی خود اے
ان تین خطوط کی نوٹ

اسٹیٹ نقل منسلک کر رہا ہے جو بالترتیب ۲۵-۳-۱۹۷۱ء، ۲۵-۳-۱۹۷۱ء اور ۲۴-۱۲-۱۹۷۲ء کو مولوی مشتاق حسین کے نام لکھے گئے (شمولات ا۔ ب اور پ) جو ان سے عرض گزار کی ذاتی ملاقات کے بعد اسی سلسلے کی کارروائی تھے اور اس کے ساتھ ساتھ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے نام بالترتیب ۱۹-۲-۱۹۷۷ء، ۱۴-۸-۱۹۷۸ء اور ۱۵-۹-۱۹۷۸ء کو لکھے جانے والے خطوط بھی (شمولات ت، ٹ اور ث)۔ یہ خطوط اس بات کو پوری طرح واضح کر دیں گے کہ پچھلے کئی سالوں سے عرض گزار کا سکونِ قلب مسٹر جسٹس مولوی مشتاق حسین کے ہاتھوں مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے، جو اپنے مولوی ہونے کے فخریہ مدعی ہیں۔

۴: کہ مسٹر جسٹس مولوی مشتاق حسین شدید بداطواری اور اپنے سرکاری رتبے کے دہشت ناک استعمال کے مجرم ہیں۔ کوئی فرد مال و دولت یا کسی اور مادی نقصان کو تو برداشت کر سکتا ہے لیکن کسی اعلیٰ ترین خاندانی پس منظر رکھنے والے فرد کے لئے ناممکن ہے کہ وہ اپنی اور خاندان کی عزت کو داؤ پر لگا دیکھے اور اپنے دوستوں اور واقف کاروں کے طعنوں کا خاموش تماشائی بنا رہے۔

۵: کہ اگر سپریم جوڈیشل کونسل کے معزز اراکین کی خواہش ہو تو عرض گزار شکوک و شبہات کے دور کرنے میں مدد دینے کے لئے ذاتی طور پر حاضر ہے جیسا کہ شکایت میں ذکر کیا گیا ہے۔ عرض گزار واقعی یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ معلومات سپریم جوڈیشل کونسل کے سامنے پیش ہونے کے بعد یہ معزز کونسل اس توقف میں ہوگی کہ وہ صدر مملکت کو اس معاملے کی باقاعدہ جانچ پڑتال کے لئے کونسل کو متحرک کریں۔ مجھے توقع ہے کہ اس شکایت کو سپریم جوڈیشل کونسل کی طرف سے موافقانہ غور فراہم ہوگا۔

مورخہ ۱۳-۱۲-۱۹۷۸ء

آپ کا انتہائی اطاعت گزار

شرحِ دستخط

صاحبزادہ جلیل شیر جان

۱۱-ڈی-I-گلبرگ III-لاہور

<u>نقل برائے اطلاع</u>

۱: مسٹر جسٹس ملک محمد اکرم۔ ممبر سپریم جوڈیشل کونسل

۲: مسٹر جسٹس دوراب پٹیل۔ ممبر سپریم جوڈیشل کونسل

۳: مسٹر جسٹس عبدالحکیم خان۔ چیف جسٹس ہائیکورٹ پشاور ممبر سپریم جوڈیشل کونسل۔

۴: مسٹر جسٹس عبدالقادر شیخ۔ چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ کراچی۔ ممبر سپریم جوڈیشل کونسل۔

**

<u>مشمولہ "ا"</u>

۱۱/ڈی/۱ گلبرگ III

۲۰ مارچ سنہ ۱۹۷۱ء

لاہور

عزیزم مولوی مشتاق

اس کا تعلق میرے زندگی میں پہلی دفعہ آپ کے گھر آنے سے ہے۔ یہ میری آپ سے زبانی گفتگو اور آخری درخواست کی توثیق ہے۔

مختصراً میں ایک بار پھر آپ سے درخواست کروں گا کہ جولیا کے رشتۂ ازدواج کو منقطع کرنے سے احتراز کریں۔ یہ میرے والد کی خواہش اور تمنا تھی کہ یہ منقطع نہ ہو۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ اس کی حوصلہ افزائی کریں تو یہ منقطع نہ ہوگا۔

جیسا کہ میں آپ سے ذکر کر چکا ہوں میں آپ کی اس میں دلچسپی سے میجر جنرل جنجوعہ کے ذریعے واقف ہوا۔ اور جولیا کے شوہر فلیمنگ کینیڈی نے اس کی تصدیق کی۔

ہمارا خاندان ملک میں نیک نام ہے اور ہمارا کافی احترام کیا جاتا ہے۔ آپ کا ہائی کورٹ کے جج کے عہدے پر فائز ہونے کی وجہ سے معاشرے میں ایک رتبہ ہے اس لئے یہ بہتر ہوگا کہ اسکینڈل سے بچا جائے کیونکہ آپ کو علم ہے کہ وہ جنرل شیر جان کی بیٹی کی حیثیت سے زیادہ جانی جاتی ہے۔

جیسا کہ آپ سے ذکر ہو چکا اگر رشتۂ ازدواج ٹوٹ جاتا ہے مجھے بہت زیادہ خوشی ہوگی اگر آپ یا جنجوعہ اس سے شادی کر لیں، اس سے تمام اسکینڈل رک جائیں گے۔ چونکہ آپ شادی شدہ ہیں اس لئے آپ کے لئے ممکن نہ ہوگا شادی کر سکیں، اس لئے بہتر ہوگا آپ اس سے دور رہیں۔

آپ نے مجھ سے کہا کہ اس سے ملنے میں آپ کا کوئی اور مقصد نہیں تھا اور میرے والدِ مرحوم سے دوستی کی وجہ سے آپ اس سے تعلقات اور میل جول رکھتے ہیں۔ میں نے آپ سے عرض کی کہ میں بھی ان ہی جنرل شیر جان کا بیٹا بلکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ ان کا جانشین تھا۔ میرے والد کا جنازہ میرے گھر سے اٹھا، اس وقت کے مغربی پاکستان کے گورنر جنرل موسیٰ اور سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے اکثر جج صاحبان سمیت سارے لوگ جنازے میں موجود تھے صدر فیلڈ مارشل ایوب خان کی بھی نمائندگی ان کے ملٹری سیکریٹری نے کی تھی۔ آپ نے ٹال مٹول کی اور کہا کہ ہو سکتا ہے کہ آپ مستقر سے باہر ہوں۔

اس لئے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ صاف گو ہونا چاہیئے۔ اگر آپ اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو پھر کہیں آپ کو میری پوری پوری منظوری حاصل ہوگی میں آپ کے گھر میں اس دن آپ کے ساتھ اتنے اکھڑ ہونے پر آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ اور آپ کی مہربانی اور چائے کے نفیس کپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو خوبصورت پیالیوں میں تھی اور شکر بھی اسی رنگ کی تھی۔ یہ ایک غیر معمولی چیز تھی۔

بصد احترام

آپ کا مخلص

**

<u>مشمولہ "ب"</u>

۱۱/ڈی/۱/گلبرگ III-لاہور

۵ اپریل سنہ ۱۹۷۱ء

عزیزم مولوی مشتاق

میرے آپ کے پاس آنے اور درخواست کے جواب میں آپ کے میرے گھر آنے پر میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں یہ تصور کرتا ہوں کہ آپ کی آمد آپ کے نام میرے ۲۵ مارچ کے خط کا نتیجہ تھی۔

جیسا کہ ہمارے درمیان بحث کے دوران میں نے بیان کیا کہ جولیا (مسز کینیڈی) سے آپ کے میل جول کے پس پشت کوئی مقصد تھا۔ اور چاہے آپ جتنی وضاحتیں کریں۔ کوئی آپ کی معصوم نیت کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ میرے والد کے کئی دوست ہیں جن کے بارے میں میں جانتا ہوں کہ وہ انہیں بہت زیادہ عزیز تھے۔ اور ان لوگوں نے بھی سوتیلے خاندان میں اس کے کھردرے رویے کی وجہ سے زیادہ دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے میں آپ کو ان کے بہترین دوستوں میں شمار نہیں کرتا کیونکہ میں نے آپ کو کلب یا گھر پر ان کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا، وہ انتقال سے پہلے دو سال سے زیادہ عرصہ میرے ساتھ رہے اور مجھے یاد نہیں کہ آپ کبھی ان سے ملنے آئے ہوں جیسے کہ ان کے دوسرے دوست آتے تھے۔ اس لئے میں آپ کے موقف پر یقین نہیں کرتا۔

اس لئے میں آپ سے ایک بار پھر اپیل کرتا ہوں کہ دست کش ہو جائیں اور اس کا گھر برباد نہ کریں، اگر آپ کامیاب ہو جائیں تو مہربانی کر کے اس سے شادی کر لیں۔ بحیثیت جج آپ سے نیک نامی ملوث ہے اور ہمارے خاندان کی نیک نامی بھی داؤ پر لگی ہے۔ وہ تاجر لوگ اور برطانوی رعیت ہیں۔ وہ خاندان کی نیک نامی کی پرواہ نہیں کرتے۔ مگر آپ کو اپنی حیثیت کو بگاڑنا نہیں چاہیئے۔ آپ اپنے موجودہ رتبے سے بہت اوپر جانے کے آرزومند ہیں۔ آپ کی بیچاری معصوم بیوی ملوث ہیں، میں ان کے لئے دکھ محسوس کرتا ہوں۔ بہرحال وہ بھی ایک انسان ہیں اور ان کے بھی احساسات ہوں گے۔ اگر کسی اور بات کا نہیں تو ان کے احساسات اور اپنی عمر اور رتبے کا خیال کیجئے۔

آپ کا مخلص

**

مشمولہ "پ"

۱۱/ڈی/۱/گلبرگ ۔ ۱۱۱ ۔ لاہور

۲۴ دسمبر ۱۹۷۲ء

عزیزم مولوی مشتاق

میں آپ کو ایک بار پھر خط لکھ رہا ہوں۔ ماضی میں آپ نے مجھے جو یقین دہانی کرائی تھی اس کے باوجود آپ نے اپنی روش نہیں چھوڑی ہے۔ اس کے برخلاف آپ اور زیادہ جرأت مند ہوتے جا رہے ہیں اور اب آپ پنجاب کلب کے تہہ خانے کے تالاب پر کھلے بندوں دوپہر کا کھانا کھاتے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ کا رویہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ میاں بیوی کا ہوتا ہے۔ اگر آپ نے اس سے خفیہ طور پر شادی کر لی ہے تو براہ کرم مجھے بتا دیجئے۔ مجھے کلب میں آپ کے ساتھ آپ کی خاتون بیگم کو دیکھنا بے حد پسند آتا۔ اگر وہاں وہ آپ کے ساتھ ہوتیں تو اس طرح تمام اسکینڈل ختم ہو جاتا۔ آپ کو اس روش سے احتراز کرنا چاہیئے۔ اس سے مجھے اشتعال ہوتا ہے اور مایوسی کے کسی لمحے میں میں کوئی جذباتی حرکت کر سکتا ہوں۔ پچھلے دنوں پرانے دیٹروں میں سے ایک نے جھجکتے ہوئے مجھ سے پوچھا کہ کیا ان لوگوں کی شادی ہو چکی ہے اور مجھے ایک اطمینان بخش جواب دینا تھا تو میں نہیں جانتا تھا کہ کہاں سے ڈھونڈوں۔ کلب کے ان دیٹروں نے برسوں میرے والد کی خدمت کی ہے اور ہمارے خاندان کو جانتے ہیں۔ اس لئے میں ایک بار پھر آپ سے درخواست کرتا ہوں۔ براہ مہربانی اور زیادہ احتیاط برتیں۔ وہ ایک برطانوی رعایا ہے جس کی تربیت اس کی ناپسندیدہ ماں نے ایک مختلف معاشرے میں کی ہے۔ لیکن آپ ایک صاحب حیثیت پختہ کار شخص ہیں۔ کم از کم آپ سے میں ایک زیادہ اچھے رویے کی توقع کرتا ہوں۔

میں آپ کو یہ خط ہائی کورٹ کے پتے پر لکھتا ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ یہ آپ کی خاتون بیگم یا کسی اور فرد کے ہاتھ لگیں۔ میں توقع کرتا ہوں کہ یہ آپ کے دفتر میں آپ تک پہنچ جاتے ہیں۔ کیونکہ آپ کبھی ان کی وصولیابی کی اطلاع نہیں دیتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ بس انہیں ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں کیونکہ آپ سوچتے ہیں کہ آپ کو قانونی تحفظ حاصل ہے لیکن یاد رکھیئے خدا دیکھ رہا ہے۔ مجھے اس نکتے پر زور دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ آپ اپنے نام کی بنا پر مولوی ہیں۔

بصد احترام

آپ کا مخلص

**

مشمولہ "ت"

۱۱/ڈی/۱/گلبرگ ۔ ۱۱۱ ۔ لاہور

۱۹ دسمبر ۱۹۷۷ء

میرے عزیز جنرل۔

میں آپ کو یہ خط پہلے تو پاکستان کے ایک شہری اور پھر افواج کے ریٹائرڈ افسر کی حیثیت سے لکھ رہا ہوں۔ خط شروع کرنے سے پہلے میں اپنا تعارف کرانا چاہوں گا۔

میں پاکستان ایئرفورس کا ایک ریٹائرڈ افسر اور پاکستان آرمی کے پہلے جج ایڈووکیٹ جنرل میجر شیر جان کا بیٹا ہوں۔ ۱۹۵۱-۵۲ء میں جب آپ کوہاٹ میں تھے مجھے آپ سے ملنے کا اعزاز حاصل ہوا تھا جب کہ مجھے کمیشن ملا تھا اور میری تعیناتی کوہاٹ میں ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے آپ کو میں یاد نہ آؤں لیکن اگر ہم ایک دوسرے سے ملے تو مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے پہچان لیں گے۔

پاکستان کے ایک شہری اور افواج کے ریٹائرڈ افسر کی حیثیت سے یہ میرے لئے انتہائی مسرت کا باعث تھا۔ آپ نے ملک کو اس دہشت ناک صورت حال، جس میں وہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو گھرا ہوا تھا، سے بچانے کے لئے بروقت مداخلت کی۔ میں توقع اور دعا کرتا ہوں کہ آپ نے ملک کو معمول پر لانے اور صحت مند سیاسی سرگرمیوں کی بحالی کا جو بیڑا آپ نے اٹھایا ہے۔ اس میں کامیاب ہوں۔ یہی سیاق و سباق جس میں ہر افسر، بر سر ملازمت یا ریٹائرڈ، اپنا فرض محسوس کرتا ہے کہ آپ کے مقصد کے حصول میں ہم اپنی بساط کے مطابق آپ کی مدد کریں۔

میں ایک طرح سے ملکی سیاسی سرگرمیوں سے منسلک رہا ہوں اور قصور کے حلقہ انتخاب سے میں جہاں کا رہنے والا ہوں، ۷ مارچ کے عام انتخابات میں قومی اسمبلی کے لئے آزاد امیدوار کی حیثیت سے انتخاب لڑا۔ یہ کہنا لاحاصل ہے کہ پیپلز پارٹی کے ہاتھوں میرا بھی وہی حشر ہوا جو دوسروں کا ہوا۔ اس وقت سے میں مختلف سیاسی رہنماؤں اور جماعتوں سے ایک مبصر کی حیثیت سے مسلسل رابطہ رکھتا ہوں۔ اور میں یہ ٹھوس حقیقت آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ موجودہ سیاستدانوں کے ذہن میں پاکستان کے بارے میں کیا ہے۔ میں ساری باتیں ایک خط میں بیان نہیں کر سکتا۔ جس کی وجہ سے ایک ضخیم دستاویز بن جائے گا۔

مذکورہ بالا کے علاوہ ایک اور انتہائی اہم مسئلہ ہے جس میں ایک انتہائی سینیئر فرد، جس پر آپ نے مکمل اعتماد کیا ہے، کی حقیقت کا ظاہر کرنا ضروری ہے کہ ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہوتے ہوئے اس کا رویہ کیسا ہے۔ میں اور میرے خاندان کی نیک نامی براہ راست متاثر ہیں اور میں آپ کو اس سے مطلع کرنے کی فکر نہ کرتا لیکن اس ادارے کے وجود ہی کو خطرہ لاحق ہے جس کا وہ فی الوقت سربراہ ہے اور جو مشتبہ رویہ وہ اختیار کئے ہوئے ہے اس میں آپ بھی بحیثیت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ملوث ہوتے ہیں۔

چونکہ مسئلہ بہت نازک ہے اس لئے ضبط تحریر میں نہیں لا سکتا اور جس قدر جلد ممکن ہو آپ سے ایک ذاتی اور نجی ملاقات کی درخواست کرتا ہوں۔

با احترام

آپ کا مخلص۔

جنرل ضیاء الحق
چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر
و چیف آف آرمی اسٹاف
راولپنڈی

(صاحبزادہ جلیل شیر جان)
(اسکواڈرن لیڈر ریٹائرڈ)

**

مشمولہ "ت"

۱۱/ڈی/۱ گلبرگ III- لاہور
۱۴ اگست ۱۹۷۸ء

میرے عزیز جنرل

میرا یہ خط اپنے اس پہلے خط کے حوالے سے ہے جو میں نے ۱۹ دسمبر ۱۹۷۷ء (نقل منسلک) فوری حوالے کے لئے، کو لکھا تھا۔ جس میں میں نے ذاتی ملاقات کی درخواست کی تھی۔ ۸ ماہ گزر چکے ہیں اور کوئی جواب نہیں آیا اور میں بلاوجہ انتظار کرتا رہا۔ اس لئے اب یہ خط لکھ رہا ہوں۔

وہ معاملہ جو میں آپ کے ذاتی علم میں لانا چاہتا تھا، جیسا کہ میں نے اپنے سابقہ خط میں ذکر کیا تھا، وہ مولوی مشتاق حسین کے ذاتی رویّے کے بارے میں ہے جس پر آپ نے مکمل طور پر یقین اور اعتماد کیا ہے اور وہ اس بینچ میں ہیں جو ایک ایسے شخص کی قسمت کا فیصلہ کر رہی ہے جو ملک کے سابق صدر اور وزیر اعظم سے کم حیثیت کا حامل نہیں ہے، لیکن مقدّمے کی سماعت کے دوران، اس سے پہلے اور اس کے بعد ان کا اپنا ضابطۂ اخلاق قابلِ اعتراض رہا ہے اور اب بھی ہے اس رتبے پر رہتے ہوئے جس پر وہ اب فائز ہیں وہ اپنی غلط روی میں اور زیادہ نڈر ہو گئے ہیں۔ فی الوقت لوگ ان کے رتبے اور موجودہ صورتِ حال کی وجہ سے بات نہیں کر رہے ہیں لیکن جونہی ان کے اطراف سے یہ حفاظتی دیواریں ختم ہو جائیں گی تو ان کا رویّہ ایک قومی اسکینڈل بن جائے گا۔ چونکہ میرے خاندان کی نیک نامی اور میرے والد میجر جنرل شیر جان کی نیک نامی ان کے شرمناک رویّے میں براہِ راست ملوّث ہے اپنے خاندان کی نیک نامی اور آبرو کی حفاظت کے لئے کوئی قدم اٹھانے سے پہلے، ایک ریٹائرڈ افسر کی حیثیت میں میں نے آپ کے علم میں لانا ضروری سمجھا لیکن ابھی تک مجھے آپ سے ملاقات کا وقت نہیں دیا گیا ہے، صبر کی ایک حد ہوتی ہے۔ اور اب وقت آ گیا ہے کہ میں عملی قدم اٹھاؤں میں ایک بار پھر آپ سے ملاقات کا خواہش مند ہوں تاکہ اس نام نہاد مولوی کی نیرنگی کو پوری طرح بے نقاب کروں اور اس کی اصل شخصیت کو نمایاں کر دوں۔ یہ کاغذ پر لکھنے کے لئے بہت لمبی کہانی ہے کیونکہ آپ کے پاس وقت نہیں ہو گا کہ اسے مکمّل طور پر پڑھ سکیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب آپ سنیں گے تو آپ کو صدمہ ہو گا۔ میرا ارادہ ہے کہ بہت جلد اقدام کروں جو میری نظر میں مناسب ہے۔ ملک کی سپریم جوڈیشل کونسل کو معاملے سے مطلع کر دوں اور کھلی تحقیقات کے لئے درخواست کر دوں۔ میں یہ ذکر کر دوں کہ انہیں رسوا کرنے اور ان کا امیج خراب کرنے کے لئے قانونی امداد کی کوئی کمی نہیں ہے۔ کئی بار مجھے پیشکش کی گئی ہے لیکن میں نے گریز کیا ہے کیونکہ اس اسکینڈل کی وجہ سے موجودہ مارشل لاء حکومت اور بحیثیت سی، ایم، ایل، اے آپ کو شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ کیونکہ جس خاندان سے میرا تعلق ہے وہ شاندار ملٹری ریکارڈ کا حامل ہے اور میں جنرل ٹکّا خان نہیں بننا چاہتا۔ لیکن اپنے خاندان کی نیک نامی اور آبرو کی حفاظت کرنا میرا حق ہے اور اس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔

آج کل اسلام، اسلامی طرزِ زندگی اور اسلامی ضابطۂ اخلاق پر بہت زور دیا جاتا ہے لیکن وہ حقیقی امین جس کے ذمّے یہ دیکھنا ہے کہ یہ ضابطۂ اخلاق نافذ ہو۔ اگر وہ خود اس کی خلاف ورزی کریں۔ کیونکہ وہ اونچی سیڑھی پر ہیں تو پھر میرا خیال ہے کہ ایک قوم کی صورت میں ہم اس سے گزر چکے ہیں۔ اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں مجھے ملاقات کے لئے وقت دیجئے، ایک سچّے مسلمان ہوتے ہوئے جیسا کہ آپ دعویٰ کرتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ جو کچھ میں آپ سے کہوں گا آپ اس کی قدر کریں گے۔

آپ کے جواب کا متوقع
آپ کا مخلص
(صاحبزادہ جلیل شیر جان)

**

مشمولہ "ث"

۱۱/ڈی/۱ گلبرگ III- لاہور
۵ دسمبر ۱۹۷۸ء

میرے عزیز جنرل

میرے مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۷۸ء کے خط کے حوالے سے مجھے اپنی درخواست کا کوئی جواب نہیں ملا ہے میں نے جن زیرِ بحث حضرت کے بارے میں جس مسئلے کا ذکر کیا تھا میں اس بارے میں انتظار نہیں کر سکتا۔ میں نے کافی انتظار کیا ہے اور اب میرا ضمیر صاف ہے کہ ایک ریٹائرڈ افسر کی حیثیت میں میں نے آپ کو اپنے خیالات سے آگاہ کر دیا۔ اب اپنے خاندان کی نیک نامی کو بحال کرنے کے لئے میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں رہ گیا ہے میں اپنے مقدمے کے کاغذات اپنے وکیلوں کے حوالے کر رہا ہوں تاکہ وہ ملک کی جوڈیشل کونسل کے سامنے باقاعدہ شکایت پیش کرنے کے لئے موزوں اقدامات کریں اور میں نے اپنے خط میں مذکورہ جج صاحب کے خلاف الزامات لگائے ہیں ان کے بارے میں تحقیقات کرانے کی درخواست کریں۔ میں نے انہیں یہ مزید ہدایت بھی دی ہے کہ اگر وہ درست سمجھیں تو شکایت اور دوسرا مواد اخبارات کو جاری کر دیں جس وقت وہ کارروائی کے لئے تیار ہوں۔ میں آپ سے ایک بار پھر درخواست کرتا ہوں مجھے ملاقات کے لئے وقت دیں تاکہ اس معاملے کا زیادہ پبلسٹی دیئے بغیر تصفیہ ہو جائے۔

میں اس کے ساتھ ملکی صورتِ حال کا مختصر جائزہ بھی منسلک کر رہا ہوں جو زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے پاکستانی شہریوں کا مشاہدہ ہے۔ اس کا مقصد صرف آپ کی مدد کرنا ہے اور عام لوگوں کے وہ احساسات آپ کے علم میں لانا ہے جو میں نے وقتاً فوقتاً جمع کئے ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ یہ آپ کے ملک کی پالیسی وضع کرنے میں کسی حد تک ذریعۂ معلومات اور رہنمائی ہو گا میں توقع اور دعا کرتا ہوں کہ آپ ملک کو اس کی موجودہ صورتحال سے واپس توازن کی طرف لے جانے کے مقصد میں کامیاب ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی مخلصانہ کوششوں اور اپنے رفقا کی لگن کے ذریعہ آپ اسے جلد حاصل کر سکیں گے۔

احترام اور شکریے کے ساتھ
آپ کا مخلص
(صاحبزادہ جلیل شیر جان)

جنرل محمد ضیاء الحق
چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر
سی، ایم، ایل، اے ہاؤس
راولپنڈی

*
*

The Supreme Judicial Council,
Through the Hon'ble Chief Justice,
Supreme Court of Pakistan, President
Supreme Judicial Council.

Subject:- COMPLAINT AGAINST MR.JUSTICE MAULVI MUSHTAQ HUSSAIN, CHIEF JUSTICE, LAHORE HIGH COURT, LAHORE.

The Petitioner most respectfully lays down before this August Council the following complaint against Mr.Justice Maulvi Mushtaq Hussain, Chief Justice, Lahore High Court, Lahore and requests very kind indulgence of this supreme body in the matter after having failed to get his grievances redressed by the Chief Martial Law Administrator and President of the country :-

1. That the Petitioner is a retired Pakistan Air Force Officer and belongs to one of the respectable families of the country being the son of Major General Shahzada Sher Jan, the first Judge Advocate General of the Pakistan Army who needs no introduction as he left traditions behind for others to follow.

2. That in brief it is submitted that the Petitioner's late father married an English lady and out of this wedlock the Petitioner has a step-sister by the name of Julie.

3. That since the death of Petitioner's father in 1968, the Petitioner came to know that Maulvi Mushtaq Hussain has been in close contact with this lady and this association of his was turning into a scandal involving the honour and name of the Petitioner's family. The Petitioner personally approached him either to desist from this association or to marry the woman as she had already been divorced by her husband. Maulvi Mushtaq Hussain gave the Petitioner to understand that his association with her was simply because he was a friend of Petitioner's father. The Petitioner very plainly told him that this could not be believed by people as apart from this lady he was never on visiting terms with any other member of Gen. Sher Jan's family specially with Petitioner (eldest son). He never came to the funeral of Petitioner's late father, he never offered any condolences at a latter stage. The Petitioner lost his real sister and her husband late Brig. Saif-ur-Rehman. He never offered any condolences or sympathy, as it is a custom in our society. Moreover the Petitioner has seen lot of ups and downs in life. He never even bothered to find out whether Sher Jan's family exists or not, but he claims his associations with Julia because she is General Sher Jan's daughter who according to him, happened to be his friend. With all what the Petitioner has said above, his intentions are very very doubtful and his just having associations with one member of our family who happens to be a lady creates a lot of doubts about his intentions. The Petitioner, therefore, requests that if he has married her, he be asked to announce his marriage, if he has not, then he should marry her, as it does not behove of a man of his position and stature to visit Julia's home after sun set in a clandestine manner which creates unnecessary scandal for him as well as the name of General Sher Jan's family of which this lady claims to be a part and parcel. He should be more careful now as he has tried and convicted no less than the former President and Prime Minister of Pakistan [illegible] of the country. The Petitioner, therefore, makes an earnest request that this August body give his family now the protection of Chaddar and Char Devari as promised by the present regime. It is unfortunate that such people who are custodians of law to give people the protection of Chaddar and Char Devari are themselves flouting it. The Petitioner is enclosing with this complaint photo copies of three letters dated 25-3-1971, 5-4-1971 and 24-12-1972 (Annexures A, B & C) respectively addressed to Maulvi Mushtaq Hussain which were a follow-up of Petitioner's personal visit to him and also three letters addressed to the Chief Martial Law Administrator which are Annexures D, E & F dated 19-2-1977, 14-8-1978 and 15-9-1978 respectively. These letters will make it absolutely clear that for the last several years the Petitioner's peace of mind stands completely shattered at the hands of Mr.Justice Maulvi Mushtaq Hussain, who proudly calls himself a Maulvi.

4. That Mr.Justice Maulvi Mushtaq Hussain is guilty of gross misconduct, and gruesome misuse of his official position. One can withstand the monetary or financial loss or any worldly loss but it is impossible for a man having superb family background to see his honour and the honour of his family at stake and be a silent spectator to the taunts of friends and acquaintances.

5. That the Petitioner is available for any assistance in person to help in clearing any doubts as mentioned in the complaint if their Lordships of the Supreme Judicial Council so desire. The Petitioner genuinely feels that with this information laid before the Supreme Judicial Council, the August Council will be in a position to persuade the Head of the State to move the Council for proper probe into the matter.

I hope that this complaint shall receive favourable considerations at the hands of Supreme Judicial Council.

۵۳

روٹی، کپڑا اور مکان نہ سہی

ووٹ کا حق تو دو

ظفر قریشی

> امریکہ کے ۲۸ویں صدر وارن ہارڈنگ کے دور میں جنوری ۱۹۲۰ء میں اٹھارویں آئینی ترمیم کی گئی، جس کے تحت ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں شراب کی تیاری اور فروخت قطعی ممنوع قرار دی گئی۔ امریکی اس دور کو شراب بندی کا دور کہتے ہیں۔ اس قانون کے نافذ ہوتے ہی جیسے پوری قوم شرابی ہو گئی، دنگا، فساد اور جرائم روز مرہ کا معمول بن گئے۔ یہ صورت حال پورے تیرہ برس برقرار رہی، بالآخر ایک اور آئینی ترمیم کے ذریعے شراب بندی کی ترمیم واپس لے لی گئی اور اس طرح قوم نے سماجی طور پر ایک نہایت تباہ کن تجربے کے بعد یہ سیکھا کہ کوئی شخص انفرادی رویے کو قانون کے تابع نہیں بنا سکتا۔
>
> اقتباس از کتاب "دی پریذیڈنٹس آف دی یونائیٹڈ اسٹیٹس"۔ سکیم اٹین آرمبرسٹر

عوام کی سیاست میں دلچسپی قوم کی زندگی کی علامت ہے

اوپر دیئے گئے اقتباس کا مقصد شراب بذات کی وکالت نہیں اور نہ ہی اسکی حیثیت پر گفتگو کرنا ہے جو دین نے متعین کر دی ہے۔ ہم صرف ایک نکتے پر بات کریں گے کہ کیا انفرادی رویے کو قانون کے تابع بنایا جا سکتا ہے؟ جب تک معاشرہ فعال اور متحرک ہے اس کی رگ رگ و پے میں خون دوڑ رہا ہے، کیا اسے قوانین کے انجکشن کے ذریعے ساکت و جامد بنایا جا سکتا ہے؟ دنیا کے مختلف ممالک نے مختلف ادوار میں مختلف تجربے کئے ہیں۔ چند تجربات ہم بھی کر رہے ہیں لیکن دانشمند قومیں دوسروں کے تجربات سے بھی کچھ سیکھتی ہیں۔ مسئلہ یہاں یہ بھی ہے کہ ہم نے اپنے تجربوں سے کیا سیکھا؟ آج جو صورت حال ہے اس کو دیکھتے ہوئے ایک بچہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ہم نے کچھ نہیں سیکھا۔ بیسویں صدی ختم ہونے کو ہے، ملک قائم ہوئے ۳۲ برس ہو چکے ہیں۔ ایک نسل گزر چکی، ایک گزرنے والی ہے اور ایک نسل بالغ ہو چکی ہے مگر کیا یہ اچنبھے کی بات نہیں کہ پنجاب کے جرائد میں آج بھی میر عبدالباقی بلوچ کے "ون یونٹ" کے قیام کے راگ کو اہمیت دی جا رہی ہے۔ بنیادی مسائل حل کرنے کی بجائے انہیں الجھانے اور مزید الجھانے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ آخر ان تمام حرکتوں کا مقصد کیا ہے؟ چھوٹے صوبوں میں کہا جاتا ہے کہ یہ قلابازیاں عوام کو ان کے حقوق سے محروم رکھنے کے لئے لگائی جا رہی ہیں۔ بلوچستان کا ایک عام بلوچ کہتا ہے کہ صوبے میں چپڑاسی تک پنجاب سے درآمد کیا جاتا ہے۔ سندھ میں ایک عام سندھی کہتا ہے کہ اس کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔ سرحد میں ایک عام پٹھان کو اگر زندہ رہنا ہے تو وہ تلاش روزگار کے لئے کراچی آنے پر مجبور ہے۔ آخر یہ سب کیا اور کیوں ہے؟ ہمارے وہ چھیل چھبیلے بزرگ جو ہر پانچ چھ برس کے بعد دندناتے ہوئے مسند اقتدار پر براجمان ہو جاتے ہیں۔ کیا انہوں نے کبھی ان چھوٹے چھوٹے مسائل پر سوچنے کی زحمت گوارا کی ہے؟ سیاستدانوں کو ذلیل کرنا اور اس عمل میں، اقتدار کے سال دو سال کھینچ لینا بہت آسان کام ہے۔ ایوب خان نے بھی یہی کیا تھا۔ مگر اس کے نتائج کتنے بھیانک نکلتے ہیں، سیاسی خلاء کی صورت میں قوم کو، جس کا کوئی قصور نہیں، کیا قربانیاں دینا پڑتی ہیں، یہ کبھی سوچا ہے انہوں نے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ انہوں نے یہ سب کچھ نہیں سوچا اور نہ سوچنا چاہتے ہیں۔

اسٹیج پر کھڑے ہو کر تاجروں، ڈاکٹروں اور انجینئروں کے جتھوں کو جو اتفاق سے سویلین ہوتے ہیں نصیحتیں کرنا اور یہ کہنا کہ وہ روپے کے پیچھے نہ دوڑیں، بہت آسان ہے اور خاص طور پر اس صورت میں تو بہت ہی آسان ہو جاتا ہے، جب یہ یقین ہو کہ مخاطب جواب دینے کی ہمت یا صلاحیت نہیں رکھتے۔ جہاں تک ہمت اور صلاحیت کا تعلق ہے، یہ دونوں چیزیں بھی ہم میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ مگر لوگ، عام لوگ، ہمارے سویلین بھائی بند اس صورتحال میں اور کر بھی کیا سکتے ہیں، جب انہیں شعور کی بات کرنے پر کوڑے لگائے جائیں۔ دس دس برس قید اور املاک کی ضبطی کی دھمکیاں دی جائیں، چنانچہ اگر کوئی ڈاکٹروں سے یہ کہتا ہے کہ وہ خدمت خلق کریں اور دولت کے پیچھے نہ بھاگیں تو ایک لمحے کے لئے رک کر یہ سن لیتے ہیں اور پھر بھاگنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ انہیں معلوم ہے کہ اگر وہ نہ دوڑے تو جنگل کے قانون کے اس دور میں بالکل اسی طرح کچلے جائیں گے جس طرح دوسرے ملازمت پیشہ اور مسکین کچلے جا رہے ہیں۔ کیا انجینئروں اور سیاستدانوں اور تاجروں کو یہ حق ہے کہ پوچھیں کہ جناب بجٹ کا ستر اسی فیصد حصہ غیر پیداواری اخراجات میں کیوں صرف کیا جاتا ہے اور جب انہیں یہ حق نہیں تو کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ بے زبانوں کے سامنے کھڑے ہو کر نصیحتوں کے دفتر کھولے جائیں ــــ؟ جی ہاں، سیاستدانوں میں وہ سیاستدان بھی شامل ہیں جو چور دروازے سے ایوان اقتدار میں داخل ہو چکے ہیں، اور ہڈی گلے میں ایسی پھنسی ہے کہ نہ اگلتے بنتی ہے نہ نگلتے بنتی ہے۔

مارچ ۷۷ء کے انتخابات سے قبل ملک میں اسلامی نظام یا نظامِ مصطفےٰؐ نافذ کرنے اور فوری طور پر نافذ کرنے کا نعرہ لگایا جا رہا تھا۔ یہ نعرہ لگانے والی کچھ جماعتیں اقتدار میں آ گئیں اور کچھ باہر ہیں۔ دونوں فریقوں کا اب بھی یہ نعرہ ہے کہ نظام مصطفےٰؐ نافذ کیا جائے گا۔ کیا یہ حیرت انگیز صورتحال نہیں ہے؟ آخر کب تک قوم کو نعروں پر پالا جاتا رہے گا؟ جو لوگ اقتدار میں ہیں وہ ایک حکم کے ذریعہ نظام مصطفےٰؐ نافذ کر کے ان کو مطمئن کر سکتے ہیں، جو باہر ہیں اور یہ مطالبہ کر رہے ہیں مگر نظام مصطفےٰؐ کے نفاذ کے ساتھ ساتھ بہتر ہوگا اگر بنیادی مسائل کے حل کی طرف توجہ بھی دی جائے۔ کچھ جمہوریت کی بحالی، بنیادی حقوق کی بحالی کی بھی بات ہو جائے، غربت دور کرنے جہالت سے نمٹنے اور عوام کو زندگی کی بنیادی سہولتیں فراہم کرنے کی کوشش بھی کی جائے۔ عوام کو روٹی، کپڑے اور مکان کا حق نہیں دیا جاتا، نہ سہی، انہیں ووٹ کا حق ہی دیا جائے یہ حق ملنے کے بعد وہ اپنے دوسرے حقوق کے لئے جدوجہد کر ہی لیں گے۔

اس وقت ہمارے سامنے "ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدور" نامی کتاب ہے جو آنجہانی صدر کینیڈی کے دور میں شائع ہوئی تھی اور غالباً آج بھی بعض لائبریریوں میں دستیاب ہے۔ اس کتاب کا ذکر یوں آیا کہ، ہم امریکہ سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے جب گفتگو کے لئے کوئی اور موضوع نہیں سوجھتا تو صدارتی نظام حکومت کی خوبیوں پر بات چیت کرنے لگتے ہیں اور قومی بقا و سلامتی کے لئے اس کی حمایت کو ناگزیر خیال کرتے ہیں۔ اس کتاب میں ۳۴ امریکی صدور کے حالات زندگی دیئے گئے ہیں اور جناب حیرت کی بات یہ ہے کہ کوئی بھی امریکی صدر منتخب ہوئے بغیر اقتدار میں نہیں آیا۔ ان میں سے بعض صدور تو ایسے بھی تھے کہ جب دیکھا کہ مملکت کا انتظام

ان کے بس کی بات نہیں تو خاموشی سے اقتدار چھوڑ دیا۔ اس کتاب میں کہیں کسی صدر نے سیاست کو شجرِ ممنوعہ قرار نہیں دیا گو بڑے بڑے جرنیل منتخب ہو کر مسند صدارت پر بیٹھے۔ ذاتی طور پر ان میں سے چند سیاست سے دور بھاگتے تھے لیکن اپنے جمہوری نظام کو انہوں نے نقصان نہیں پہنچایا۔ مثال کے طور پر پہلے امریکی صدر جنرل جارج واشنگٹن کو فروری ۱۷۸۹ء میں "بادشاہ" بن جانے کا مشورہ دیا گیا لیکن انہوں نے یہ مشورہ سختی سے رد کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ میں بادشاہت کی قطعی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ واضح رہے کہ وہ اتفاق رائے سے ۳۰ اپریل ۱۷۸۹ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر منتخب ہوئے تھے۔ دوسرے امریکی صدر جان ایڈمس کو جنرل جارج واشنگٹن کی عقل و دانش پر اعتماد نہیں تھا حالانکہ جارج واشنگٹن کو جان ایڈمس کی سفارش پر ہی کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا تھا تاہم واشنگٹن کی طرح ایڈمس وفاقی طرز حکومت کے حامی تھے اور اپنی پارٹی کے ان رہنماؤں سے ان کا شدید اختلاف تھا جو دولتمند اور سائل زر افراد پر مشتمل حکومت بنانا چاہتے تھے۔ گو وہ بھی عوام کے غیظ و غضب سے خوفزدہ تھے لیکن کسی بھی صورت میں اس مطالبے کو منظور کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، گو بعد میں انہیں نقصان اٹھانا پڑا۔ تیسرے امریکی صدر ٹامس جیفرسن "فلسفی بادشاہ" مشہور تھے وہ سب کے لئے یکساں مواقع فراہم کرنے کے حامی تھے۔ انہوں نے چرچ اور مملکت کو علیحدہ کیا جس کے بعد قانون کے تحت چرچ کے لئے زبردستی چندہ وصول کرنا قابل گرفت چیز قرار دی گئی۔ چوتھے امریکی صدر جیمس میڈیسن کو دستور کا خالق قرار دیا جاتا ہے، ان کے دور میں فیڈرلسٹ قوتیں مضبوط مرکز کی حامی تھیں لیکن میڈیسن کا کہنا تھا کہ آئین کے تحت وفاق کو جتنے اختیارات دیئے گئے ہیں ان سے زیادہ کا حصول نقصان دہ ہوگا۔ جیمس میڈیسن نے ہی سب سے پہلے "بل آف رائٹس" پیش کیا، جس میں بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت دی گئی تھی۔

تمام کے تمام امریکی صدور کا تذکرہ یہاں فضول ہوگا کیونکہ ان گزارشات کا مقصد اور منشا محض یہ بتانا ہے کہ قومیں قربانیوں، جدوجہد اور مسلسل جدوجہد سے بنتی ہیں۔ موقع ملنے پر چور دروازے سے اقتدار میں داخل ہونا نہ صرف قوم کے سیاسی شعور کا مذاق اڑانا ہے بلکہ ایک غلط بات کی حمایت کر کے ملک کی ترقی، اس کے استحکام اور سالمیت کو نقصان پہنچانا ہے۔

قوم دوست حکومتیں، سیاست میں عوام کی دلچسپی کا خیر مقدم کرتی ہیں کیونکہ یہ دلچسپی قوم کے زندہ، متحرک اور فعال ہونے کی عکاس ہوتی ہے جو حکومتیں عوام کو سیاست سے دور لے جاتی ہیں، لوگوں پر روزگار کے دروازے محض اس وجہ سے بند کرتی ہیں کہ وہ سیاست میں دلچسپی لیتے ہیں اور کم از کم ہاں میں ہاں نہیں ملاتے، تو ایسی حکومتیں ملک و قوم کی کسی خدمت کے قابل نہیں ہوتیں۔

آج سنہ ۷۱ء سے زیادہ بدترین حالات ہیں

گزشتہ ۱۸ ماہ سے پاکستان میں برسر اقتدار فوجی حکومت کی کارکردگی اور ملک کی مجموعی صورتحال کے حوالے سے ان خدشات کی تصدیق ہو گئی ہے جن کا اظہار پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور قائدِ عوام ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سے جبری معزولی کے بعد آزادی کے مختصر سے وقفے میں کیا تھا۔ ایک مسلمہ سیاسی مدبر کی حیثیت سے انہوں نے ۵ جولائی سنہ ۱۹۷۷ء کے اقدام اور ملک کے مستقبل کے بارے میں چند خطرات کی نشاندہی کی تھی۔ وہ نہ صرف درست تسلیم ہوئے بلکہ اس اعتبار سے تشویشناک بھی ثابت ہوئے ہیں کہ نوے روز کے مختصر سے پروگرام کے ساتھ برسر اقتدار آنے والی حکومت ابھی تک حقائق سے چشم پوشی کر رہی ہے اور صورتحال کا ازالہ کرنے پر آمادہ نہیں۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ مثبت نتائج کی غیر حقیقت پسندانہ امیدوں کے اس دور میں صرف حقائق ہی کا قتل عام نہیں ہوا بلکہ الفاظ کی حرمت اور ضمیر کو بھی مسلسل پامال کیا جاتا رہا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ نوے روزہ عبوری حکومت ایک مستقل حکومت کا روپ دھار چکی ہے اور عوام کے اقتدار اعلیٰ کو عوام کے منتخب نمائندوں کی واپسی کے وعدوں کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ جمہوریت کو پاکستان کے لئے ناگزیر قرار دینے کے باوجود جمہوریت کی بنیادوں میں آگ بھری جا رہی ہے اور ملک کے منتخب نمائندوں اور کروڑوں عوام کے پسندیدہ جمہوری نظام سیاست پر غیر اسلامی نظام کی قدغن گھائی جا رہی ہے۔ ہم ۱۸ مہینوں کے شب و روز کے آئینے میں یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اسلام اور نظام مصطفےٰ کو مکمل ضابطہ حیات قرار دینے کے باوجود اسلام کے نفاذ کو فرقہ واریت کا لبادہ اوڑھایا جا رہا ہے۔ آئین اور قانون کی بالادستی کے نام پر آئین اور قانون پر ایک فرد کی شخصی بالادستی کو مستحکم بنایا جا رہا ہے شہری آزادیوں اور بنیادی حقوق کی بحالی کے نام پر زندانوں کی رونق بحال کی جا رہی ہے۔ کوڑے لگائے جا رہے ہیں۔ زبانوں پر تالے ڈالے جا رہے ہیں اور انسان کے پیدائشی حق آزادی کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ یہ صورتحال بجا طور پر اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے پہلے جس بحران کو نظریۂ ضرورت کے حوالے سے موجودہ حکومت کا معرضِ جواز قرار دیا گیا تھا وہ درحقیقت پاکستان کی تاریخ کا بدترین اخلاقی بحران تھا جو سوچے سمجھے اور منظم پشت پناہی سے اختراع کیا گیا تھا تاکہ ایک ایسی جمہوری نمائندہ اور قانونی حکومت

پاکستان پیپلز پارٹی

سرحد کی صوبائی

کمیٹی کا تجزیہ

کا تختہ الٹ سکے جو عالم اسلام کی حقیقی یکجہتی اور سامراجی تسلط سے نجات حاصل کرنے کے قومی مقاصد کی حامل تھی جو سیاسی اقتدار پر بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی بھی غیر سیاسی اور غیر جمہوری ادارے کے تسلط یا رشتہ کو برداشت نہ کرتی تھی اور جو برابری کے باوقار معیار پر دوسری قوتوں سے تعلقات استوار کرنے پر یقین رکھتی تھی۔

مشاہدہ گواہ ہے کہ اگر ۵ جولائی سنہ ۱۹۷۷ء سے قبل کا بحران ہوتا یا وہ سوچا سمجھا اخلاقی بحران نہ ہوتا تو آپریشن فیئر پلے کا وہ نوے روزہ پروگرام کسی پروگرام جواز کے بغیر غیر معینہ عرصہ تک معرض التوا میں نہ ڈالا جاتا۔ اگر وہ بحران خانہ جنگی کے خدشات کا حامل ہوتا تو احتساب کا یکطرفہ اشتعال انگیز رویہ اختیار نہ کیا جاتا۔ اگر نظام مصطفےٰ کا نفاذ ہی اس بحران کا جواز ہوتا تو نظام مصطفےٰ کے بالاستساط فرقہ وارانہ نفاذ کو متعارف نہ کرایا جاتا اور سب سے بڑھ کے یہ کہ اگر قومی اتحاد میں شامل سیاسی اور مذہبی جماعتیں اپنے پیدا کردہ بحران کے حوالے سے حق پر ہوتیں تو اس کا شیرازہ نہ بکھرتا اور وہ ایک غیر جمہوری حکومت میں اپنی غیر نمائندہ حیثیت کے ساتھ شامل ہونے پر اظہار تفاخر نہ کرتے دکھائی دیتے۔

گزشتہ ۱۸ ماہ کے جمہوری حالات کے پس منظر میں یہ حقیقت واضح طور پر نظر آنے لگی ہے کہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے اقدام کے بعد بتدریج رونما ہونے والے واقعات ایسے بحران میں تبدیل ہو چکے ہیں جو داخلی اور خارجی دونوں صورتوں سے ملک کی آزادی اور خودمختاری کے لئے خطرے کا سبب ہیں۔ غیر سیاسی حکومت کے سیاسی اقدامات کے نتیجے میں جو تصویر بنتی نظر آتی ہے وہ مثبت نتائج کی ان امیدوں کے برعکس ہے جو سنہ ۱۹۷۳ء کے آئین اور ملک کی تخلیق سے قائم تھیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ جو حکومت پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کی طرف سے آئینی اور جمہوری طریقے سے آئین میں کی گئی ترامیم کو کالعدم قرار دینے پر فخر کرتی ہے۔ خود کسی آئینی اور جمہوری حق کے بغیر آئین میں ترامیم کرنے کی کس طرح مجاز ہو سکتی ہے مزید برآں یہ کہ صوبائی خودمختاری کے حوالے سے بات کرنے والے سیاسی حلقوں کے مطالبات کو ۱۹۷۳ء کے آئین کی بنیاد پر رد کرنے

قوم پوچھتی ہے تم باجپائی کی دھمکی کا جواب کیوں نہیں دیتے

کا اختیار بھی رکھتی ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت خود تو مخلوط انتخابات کے طے شدہ طریق کار کو بدلنے کے لئے آئین میں ترمیم کرنے کی مجاز ہے مگر اسی حوالے سے کسی دوسرے آئینی مسئلے کا نزاع پیدا ہوتا ہے تو اسے طے شدہ قرار دے کر رد کر دیا جاتا ہے اور انتہائی سادگی کے ساتھ یہ باور بھی کر لیا جاتا ہے کہ مخصوص مفادات کے حامل مخصوص سیاسی حلقے حکومت کی دلیل کو درست تسلیم کر لیں گے۔

اختیارات کے یکطرفہ معیار اور قول و فعل کے نئے تضادات کی کشمکش میں قائد عوام کا وہ اندیشہ حرف بہ حرف درست ہو جاتا ہے جو انہوں نے مارشل لاء کے نفاذ کے ضمن میں پاکستان کے وفاق کے بارے میں ظاہر کیا تھا۔ افغانستان میں رونما ہونے والے انقلاب ایران کی داخلی صورتحال اور بحر ہند کی چوکیداری کے نئے امیدوار کی طرف سے ننگی دھمکیوں کے پس منظر میں صوبائی خود مختاری کے مسئلے کے احیاء سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مارشل لاء کا نفاذ ہمیشہ وفاق کی یکجہتی کے لئے خطرہ بنا ہے اور ہم موجودہ بحران میں اس مقام پر آ چکے ہیں جس سے آگے تباہی اور بربادی کی کھائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔

گزشتہ اٹھارہ ماہ کے تجربے میں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ داخلی طور پر جمہوری اور سیاسی عمل رک دیئے جانے سے ملک کا ارتقاء منجمد ہو کر رہ گیا ہے اور خارجی محاذ پر بھی پاکستان اس مقام پر فائز نظر نہیں آتا جو یحییٰ خان کے مارشل لاء کے بعد عوامی حکومت نے طویل جدوجہد کے بعد حاصل کیا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان اپنے موجودہ مقدر کے حوالے سے دوستوں سے محروم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اقوام متحدہ میں بحر ہند کے علاقے کو جوہری اسلحے کے استعمال سے پاک رکھنے کی قرارداد کی منظوری پر بغلیں بجائی جاتی ہیں۔ مگر فرانس کے ساتھ عوامی حکومت کے ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ کے انتہائی اہم معاہدے کے بارے میں کوئی پیش رفت نہیں کی جاتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کرکٹ کا ایک میچ جیتنے کی خوشی میں ملک بھر میں عام تعطیل کا اعلان کیا جاتا ہے مگر ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کے اس المیئے کا سوگ نہیں منایا جاتا ہے جس کے نتیجے میں ملک دو ٹکڑے ہوا۔ ۱۶ دسمبر کے المیئے کا سوگ تو بڑی بات ہے حکومت بھارتی وزیر خارجہ اٹل بہاری واجپائی کی دھمکی کے خلاف احتجاج کرنے سے بھی قاصر نظر آتی ہے۔ ہمیں یہ جان کر تعجب ہوتا ہے کہ افغانستان میں رونما ہونے والے واقعات پر تو حکومت اور اس کی حلیف سیاسی جماعتیں واویلا مچاتی ہیں مگر جب بھارت میں مسلمانوں کا قتل عام ہوتا ہے یا ایک اور برادر ملک میں مسلمانوں کا خون بہتا ہے تو اسے دوسرے ملکوں کا داخلی معاملہ سمجھ لیا جاتا ہے کیا یہی وہ کارنامے ہیں جنہیں عوام کو موجودہ حکومت کے قانونی جواز کی درخشندہ مثال کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔

گزشتہ ۱۸ ماہ کے سیاسی اقدامات کے حوالے سے ملک کی معاشی اور اقتصادی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو وہ سیاسی بحران سے کہیں زیادہ ہی سنگین نظر آتی ہے۔ ۱۸ مہینوں تک حکومت اور اس کی تمام پروپیگنڈہ مشینری اپنا زیادہ وقت یہ ثابت کرنے میں مصروف رہی کہ سابقہ حکومت نے ملک کی معیشت کو تباہ کر ڈالا

بھٹو نے جولائی ۷۷ء کے بعد جو کہا، درست ثابت ہوا

تھا کسی کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ اس بات کی خبر لیتا کہ سابقہ حکومت کی پیش رو فوجی حکومت بھارت سے شکست کے زخموں اور نصف ملک کے ساتھ خزانے میں کتنی دولت چھوڑ کر رخصت ہوئی تھی اور پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت کے منصوبے کس جادو کے ذریعے وجود میں آئے تھے۔ جو چاروں صوبوں میں اب جاری و ساری نظر آتے ہیں۔ اس مجرمانہ چشم پوشی سے قطع نظر ہم دیکھتے ہیں کہ اگست ۱۹۷۷ء میں ملک میں کرنسی نوٹوں کی گردش سولہ ارب اڑتیس کروڑ پچپن لاکھ روپے تھی جبکہ ستمبر ۱۹۷۸ء میں یہ گردش بڑھ کر انیس ارب ترانوے کروڑ ستر لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ سولہ مہینوں میں تین ارب پچپن کروڑ بیس لاکھ روپے کے کرنسی نوٹ مزید گردش میں آئے مگر ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے کہ ملک کی اقتصادی صورتحال مستحکم ہو گئی ہے۔ سابقہ حکومت پر الزام عائد کیا جاتا تھا کہ وہ صنعتی امن قائم رکھنے میں ناکام رہی۔ وہ صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے کر پرائیویٹ سیکٹر کی تباہی کا موجب بنی اور پرائیویٹ سیکٹر میں سرمایہ کاری نہ ہونے کی وجہ سے اقتصادی حالت کی تباہی کا موجب بنی مگر ۱۸ مہینوں میں متعدد ترغیبات اور بعض قومیائی ہوئی صنعتوں کی واپسی کے باوجود پرائیویٹ سیکٹر میں ایک پیسے کی سرمایہ کاری نظر نہیں آ رہی۔ ملک کے تمام بڑے سرمایہ دار اور صنعتکار حکومت کو سرمایہ کاری کا جھکمہ دے کر ملک کی دولت باہر لے جا رہے ہیں اور دوست عرب ممالک میں صنعتی اور تعمیراتی منصوبوں میں لگا رہے ہیں بعض صنعتکار پاکستانی سرمایہ یورپی صنعت کاروں کے ساتھ اشتراک میں لگا رہے ہیں یا پھر ملک کے اندر بڑے بڑے پلازا اور کمرشل عمارتوں کی تعمیر میں لگا رہے ہیں۔ دوسری طرف کاٹن پالیسی بدلنے اور صنعت کاروں کو لالچ دے کر بند صنعتی اداروں میں جان ڈالنے کی کوشش کے باوجود ٹیکسٹائل انڈسٹریز جامد نظر آتی ہیں۔ باقی صنعتوں میں چھانٹیوں کے زور سے پیداوار بڑھانے کی ناکام کوشش ہو رہی ہے۔ اور ملتان فائرنگ میں مزدوروں کے قتل عام کے ذریعے صنعتی امن قائم کرنے کی مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔ کوئی نہیں جانتا۔ جماعت اسلامی کے اقتصادی مشیر وہ کون سے اقتصادی فارمولے لے کر آئے ہیں جو عوام کو تو نظر نہیں آتے اور جو اقتصادی اور پیداواری ترقی کا موجب بھی بنے ہوتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کرنسی نوٹوں کی اضافی گردش ہی کو پیداواری ترقی اور اقتصادی استحکام کا معیار بنا لیا گیا ہے۔

زرعی شعبے میں جو سب سے بڑا کارنامہ انجام دیا گیا ہے وہ بے دخلیوں کا کارنامہ ہے۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد زرعی شعبے میں یہی ایک ایسا قابلِ ذکر کام ہے جس پر موجودہ حکومت فخر کر سکتی ہے اس کے علاوہ پیداواری اضافے کے جتنے بھی اعداد و شمار پیش کئے جا رہے ہیں۔ وہ فائلوں کی حد تک ہی درست معلوم ہوتے ہیں۔ کپاس کی نئی پالیسی اس کی ایک واضح مثال ہے جو اس تضاد کی حامل ہے کہ ملک کی اپنی ضرورت کے لئے ہی کپاس کی موجودہ پیداوار ناکافی ہے چہ جائیکہ ایکسپورٹ کے مفروضہ تخمینے پر غور کیا جائے۔

اعداد و شمار کے ماہرین اور اقتصادی امور کے واقف کار اس بات کے بہتر گواہ ہیں کہ ۱۸ مہینوں میں جہاں دوسرے شعبوں میں ملک انحطاط پذیر رہا۔ غیر پیداواری مصارف میں بے دریغ اضافہ ہوا ہے کسی کو نہیں معلوم کہ غیر پیداواری مصارف میں اضافے کے مثبت نتائج کیا ہوں گے۔ تیل کی قیمتوں میں حالیہ اضافے کے تناسب پر غور کیا جائے تو حکومت کی پریشانی بالکل واضح ہو جاتی ہے ماہرین کے مطابق تیل کی قیمتوں کی شرح میں موجودہ اضافہ اصولی طور پر پانچ پیسے فی گیلن سے زیادہ نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ مگر حکومت نے ایک روپیہ فی گیلن کے حساب اضافہ کر دیا ہے۔ پانچ پیسے تیل کی مد میں اور پچانوے پیسے غالباً مثبت نتائج کی مد میں۔

صورتحال کے اس اجمالی جائزے اور گزشتہ اٹھارہ ماہ کی کارکردگی کے نتیجے میں ملک کے مجموعی بحران کا جو خاکہ مرتب ہوتا ہے وہ بجا طور پر تشویشناک قرار دیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زوال اور شکست و ریخت کا عمل وقت کی رفتار سے تیز تر ہے اور سیاسی اور معاشی گھٹن ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۱ء کے بحران سے بھی زیادہ سنگین اور گمبھیر نظر آتی ہے واقعات کے تسلسل کا داخلی دھارا تبدیلیوں کے خارجی عمل سے لاتعلق بھی نہیں۔ ہم اپنی سرحدوں کے باہر ہونے والے واقعات کو خواہ کتنا ہی غیر متعلق کہیں اور کتنا ہی دوسروں کے داخلی معاملات کا نام دیں۔ ہم حقائق کا رخ اور اس کی سمت کو نہیں بدل سکتے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ داخلی تضادات کے حوالے سے پاکستان بیرونی تبدیلیوں کے حقائق کی زد میں ہے جبکہ داخلی طور پر پاکستان اپنے عوام کے جمہوری اور سیاسی حقوق کے حوالے سے دفاعی استعداد سے بھی محروم ہو چکا ہے۔ ہمارے سامنے خود ہمارے ہی ملک کی مثال موجود ہے کہ ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۱ء میں جب عوام کے جمہوری اور سیاسی حقوق سلب کر لئے گئے تھے کہ شخصی فیصلوں کو عوام کی خواہشات پر مسلط کر دیا گیا تھا تو پاکستان اپنی بہادر اور مسلح افواج کی کوشش کے باوجود اپنا اور اپنی سالمیت کا دفاع نہ کر سکا تھا بعینہ آج وہی صورتحال ہے بلکہ کل کی نسبت زیادہ سنگین اور زیادہ فیصلہ کن صورتحال ہے جو ہم سے اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ کم سے کم وقت میں ہم دیانتداری کے ساتھ اپنے فرائض اور اپنی ذمہ داریوں کا از سر نو جائزہ لیں۔"

پاکستان پیپلز پارٹی کا اس سلسلے میں موقف بالکل واضح ہے اور یہ موقف ۵ جولائی سے پہلے بھی یہی تھا اور اب بھی یہی ہے کہ عوام کے اقتدار اعلیٰ کے اصل وارث عوام کے منتخب نمائندے ہیں اور عوام کے منتخب نمائندوں کا ہی یہ اعزاز ہے کہ وہ سیاسی فیصلہ کریں۔ یہ کام اور یہ فریضہ نہ فوج کا ہے نہ تھا چنانچہ پاکستان پیپلز پارٹی صوبہ سرحد کی صوبائی کمیٹی ملک کے سیاسی اور اقتصادی حالات کے مطالعہ کے بعد مندرجہ ذیل قرار دادیں منظور کرتی ہے۔

زرعی میدان میں کسانوں کی بیدخلیاں "شاندار" کارنامے کا حصہ ہیں

۱: صوبائی کمیٹی مارشل لاء سے مطالبہ کرتی ہے کہ ملک میں فوری طور پر انتخابات کرائے جائیں اور اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کیا جائے تاکہ عوام کے منتخب نمائندے داخلی اور خارجی بحرانوں کے حوالے سے درست سیاسی سمت میں ملک اور قوم کی رہنمائی کر سکیں اور ملک کی سالمیت اور یک جہتی کا تحفظ ہو سکے۔

۲: پاکستان پیپلز پارٹی صوبہ سرحد کی صوبائی کمیٹی آئین میں من مانی ترامیم کے رویئے پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کرتی ہے کہ نظریۂ ضرورت کے دائرے عمل کو آئین کو مسخ کرنے کی حد تک نہ بڑھایا جائے اور تمام ترامیم منسوخ اور کالعدم قرار دی جائیں جو ۵ جولائی کے بعد عمل میں لائی گئی ہیں۔ صوبائی کمیٹی آئین میں انتخابات کے مخلوط طریقہ کار کو بدلنے اور جداگانہ انتخابات کے فرسودہ فارمولے کی توثیق تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ترامیم کی اس مکروہ ابتداء کو وفاق پاکستان کی سالمیت اور یکجہتی کے لئے بدشگونی کے مترادف سمجھتی ہے جو وفاق کے ایک یا ایک سے زیادہ یونٹوں کے مخصوص سیاسی مفادات کے حامل حلقوں کی طرف سے آئین پر بے اعتمادی کے کھلے اظہار کا موجب بن سکتی ہے

۳: صوبائی کمیٹی مارشل لاء حکومت سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ تمام فوجی عدالتیں اور ٹریبونل فوری طور پر ختم کئے جائیں اور ان عدالتوں اور ٹریبونلوں کے اب تک کے تمام فیصلوں کو کالعدم قرار دیا جائے۔ نیز تمام سیاسی قیدیوں، مزدوروں، طلباء اور کسانوں کو رہا کیا جائے تاکہ صورتحال میں مثبت تبدیلی کا جواز پیدا ہو۔

۴: صوبائی کمیٹی سیاسی سرگرمیوں پر عائد پابندیوں کے خاتمے کا مطالبہ کرتی ہے نیز ٹریڈ یونین سرگرمیوں اور ہڑتال کے حق کی بحالی کا مطالبہ کرتی ہے۔ صوبائی کمیٹی کسانوں کی بے دخلیوں مزدوروں کی چھانٹیوں اور ریڈیو، ٹی وی اور دیگر سرکاری اور خود مختار اداروں سے برطرف کئے جانے والے افراد کی فوری بحالی کا مطالبہ کرتی ہے اور جماعت اسلامی کے پروردہ افراد کی ناجائز بھرتی پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے تقاضہ کرتی ہے کہ ایسے اقدامات سے گریز کیا جائے جو سیاسی مخاصمت کو ہوا دینے کا موجب ہوں۔

۵: صوبائی کمیٹی پریس کی آزادی پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے آزادی صحافت کے عظیم مقصد کی خاطر قید و بند، تشدد اور کوڑوں کی سزاؤں کی صعوبت برداشت کرنے والی صحافی برادری کو خراج تحسین پیش کرتی ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ برطرف صحافیوں کی بحالی اور ابھی تک نظر بند افراد کی رہائی کا بندوبست کرے۔ نیز بند اخبارات کے ڈیکلریشن بحال کرے سنسرشپ ختم کرے اور ضمانتوں کی طلبی کے نوٹس واپس لے کر عوام کو اظہار رائے کا حق دے۔

۶: صوبائی کمیٹی گزشتہ اٹھارہ مہینوں کے دوران بحالی جمہوریت کی جدوجہد میں قید و بند کی صعوبتیں اور کوڑوں کی سزائیں پانے والے کارکنوں کو خراج تحسین پیش کرتی ہے بالخصوص ان مجاہدوں کو سلام کرتی ہے جنہوں نے خود سوزی جیسے انتہائی احتجاج کے عمل سے ملک اور عوام کی رہنمائی کے لئے روشنی کے مینار قائم کر دیئے۔ پاکستان پیپلز پارٹی اپنے ایسے جیالے مجاہدین کو جمہوریت، انصاف اور ملک کی سالمیت کی جدوجہد میں کام آنے والے ہیرو قرار دیتی ہے۔

۷: پاکستان پیپلز پارٹی کی صوبائی کمیٹی صوبائی حکومتوں اور خود مختار اداروں میں غیر نمائندہ افراد کی نامزدگیوں کے اعلان کی مخالفت کرتی ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ وفاقی حکومت میں غیر نمائندہ نامزدگیوں کی ناکامی سے عبرت حاصل کرتے ہوئے مزید نامزدگیوں سے گریز کرے تاکہ ملک کو مزید تباہی سے بچایا جا سکے۔

۸: صوبائی کمیٹی بھارتی وزیر خارجہ اٹل بہاری واجپائی کی دھمکی اور غیر نمائندہ جماعت اسلامی کے نامزد وزیر اطلاعات مسٹر محمود اعظم فاروقی کے بیانات کے بارے میں مارشل لاء حکومت کی چشم پوشی اور برادر ملک افغانستان کے بارے میں جماعتی پروپیگنڈے پر خاموشی کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ صوبائی کمیٹی مطالبہ کرتی ہے کہ بھارتی وزیر خارجہ کے جارحانہ بیان کا مؤثر اور دو ٹوک جواب دیا جائے نیز غیر نمائندہ وزیروں کو امور خارجہ کے بارے میں بیانات داغنے سے روکا جائے۔ اور مسٹر محمود اعظم فاروقی سے باز پرس کی جائے کہ وہ

اٹھارہ مہینوں میں صرف نوٹوں کی پیداوار میں اضافہ ہوا ہے

اپنے محکمے کے جھوٹ کی تشہیر کے علاوہ خارجہ امور پر گوہر افشانی کیوں کرتے ہیں۔ صوبائی کمیٹی یہ سمجھتی ہے کہ غیر ذمہ دارانہ افراد کے غیر ذمہ دارانہ طریقے سے امورِ خارجہ پر طبع آزمائی ملک کیلئے پیچیدگی کا باعث بن سکتی ہے۔

۹: صوبائی کمیٹی حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ آئندہ انتخابات کے لئے ووٹر کی عمر ۱۸ سال مقرر کی جائے تاکہ نوجوان طلباء انتخابات کے جمہوری عمل میں براہ راست حصہ لے سکیں۔ صوبائی کمیٹی صوبہ سرحد کے تعلیمی اداروں میں پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے امیدواروں کی بھاری اکثریت میں کامیابی پر فیڈریشن کے کارکنوں کو مبارکباد پیش کرتی ہے اور ان کے مثالی اتحاد اور جمہوریت کی بحالی کے لئے ان کی جدوجہد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔

۱۰: صوبائی کمیٹی تیل کی قیمتوں میں اضافے کے فیصلے کو ناجائز سمجھتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ ایک روپیہ فی گیلن اضافہ کی بجائے اوسط شرح کے مطابق ۵ پیسے فی گیلن اضافہ کرے۔ صوبائی کمیٹی مطالبہ کرتی ہے کہ بسوں کے کرایوں میں اضافے کی شرح کو کم کیا جائے تاکہ غریب عوام پر بوجھ کم ہو۔

۱۱: صوبائی کمیٹی مطالبہ کرتی ہے کہ مہنگائی کے تواتر و تسلسل کے پیشِ نظر ملازمت پیشہ افراد کم سے کم تنخواہ پانے والوں کی تنخواہوں میں فوری طور پر ایک سو روپے کا اضافہ کیا جائے۔

۱۲۔ صوبائی کمیٹی پاکستان پیپلز پارٹی کی طرف سے زرعی علاقوں کے بے گھر افراد کے لئے ۵ مرلے زمین کے حق کی منسوخی پر افسوس اور تشویش کا اظہار کرتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ بے گھر کسانوں کو ۵ مرلے اسکیم کے تحت گھر بنانے کے لئے زمین الاٹ کی جائے تاکہ وہ سکھ کا سانس لے سکیں۔ صوبائی کمیٹی حیات آباد میں ۵ تا ۱۰ مرلے کے پلاٹوں کی قیمتوں کو غریب آدمی کی استطاعت سے زیادہ سمجھتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ قیمتوں میں معقول کمی کی جائے تاکہ عام لوگ آسانی سے پلاٹ حاصل کر سکیں۔

۱۳: صوبائی کمیٹی سیمنٹ کی قلت اور چور بازاری کے سلسلے میں با اختیار حلقوں کی طرف سے جماعتِ اسلامی کے کارکنوں کی سرپرستی پر تشویش کا اظہار کرتی ہے اور مطالبہ کرتی ہے کہ سیمنٹ کی قلت کے حقیقی اسباب کا ازالہ کیا جائے۔

۱۴: صوبائی کمیٹی جی۔ٹی۔ روڈ کے نئے بس اسٹینڈ تک ادمنی بس کے روٹ کی توسیع کا مطالبہ کرتی ہے۔

۱۵: صوبائی کمیٹی مارشل لاء حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ حکومت کے جاری کئے گئے وائٹ پیپر کے جواب میں قائدِ عوام ذوالفقار علی بھٹو کے اس تحریری جوابات کی اشاعت کا حق دیا جائے جو انہوں نے پھانسی کی کوٹھڑی میں تحریر کیا ہے تاکہ عوام کو جھوٹ اور سچ کا فرق معلوم ہو سکے ●

راشد

مودودی کے خلاف بھی پاکستان دُشمنی کا مقدمہ چلایا جائے

مودودی نے جوش سے بدلہ لے لیا

گزشتہ ہفتہ برصغیر کے نامور شاعر جوش ملیح آبادی کو ایک سرکاری فرمان کے ذریعے ریڈیو، ٹیلی ویژن اور دیگر سرکاری ذرائع ابلاغِ عامہ کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ شاعرِ انقلاب جوش ملیح آبادی کے خلاف انتقامی کارروائی ان کے ایک انٹرویو کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ جو انہوں نے ۱۹۷۴ء میں ریڈیو پاکستان کو دیا تھا اور جسے ریڈیو کے تمام اہل کاروں نے بڑا سنبھال کے رکھا اور وقت آنے پر توشہ خاص کی طرح حکمرانوں کے سامنے پیش کر دیا۔

جوش ملیح آبادی کو سرکاری نشر و اشاعت کے اداروں میں ناپسندیدہ قرار دینے کے فیصلے سے شائد ان کے دوستوں اور مداحوں کو تکلیف پہنچی ہو اور ادبی حلقوں میں ان کا کردار ان کی شاعری اور شخصیت گفتگو کا موضوع بنی ہو لیکن عوام یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ شاعرِ انقلاب کی اس پیرانہ سالی میں خاموشی اور گوشہ نشینی سے حکمرانوں کو کیا خطرہ پیدا ہو گیا تھا جس نے انہیں اتنا بڑا اقدام اٹھانے پر مجبور کر دیا؟ سرکاری پریس نوٹ میں جوش پر پاکستان اور قائداعظم کے خلاف "دریدہ دہنی" کا الزام لگایا گیا ہے۔ یہ الزام نظریہ پاکستان کے خودساختہ ٹھیکیدار ہر اس فرد پر لگاتے رہے ہیں جو ان کے نظریات اور خیالات سے متفق نہ ہو لیکن یہ بات نہایت مضحکہ خیز ہے کہ ایک طرف سے تو چار سال پرانے انٹرویو کی بنیاد پر جوش ملیح آبادی کے خلاف کارروائی کی جاتی ہے مگر قیامِ پاکستان کے مخالف احراری، کانگریسی، خاکسار اور جماعت اسلامی کے رہنما اس الزام سے بری الذمہ قرار پاتے ہیں۔ جماعت اسلامی کے پوپ مولانا مودودی جنہوں نے پاکستان کو ناپاکستان، قائداعظم کو کافرِ اعظم کہا تھا اور تحریکِ پاکستان کے رہنماؤں کی مخالفت اور کردارکشی کی تھی آج مقربِ خاص قرار پاتے ہیں۔ ان کے خیالات اور افکار کی تشہیر کے لیے سرکاری پریس رطب اللسان رہتا ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جوش ملیح آبادی کو ممنوعہ شجر قرار دینے کے فیصلے میں جماعت اسلامی (جس کے پاس وزارتِ اطلاعات ہے) کی وہ پرانی دشمنی اور پرخاش بھی شامل ہے جس کا تعلق جوش ملیح آبادی کی خود نوشت سے ہے جس میں انہوں نے مولانا مودودی کے متعلق ایک واقعہ تحریر کیا تھا جوش نے "یادوں کی برات" میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ تفریحاً ان کے ایک دوست اور وہ مولانا مودودی کو طوائف کے کوٹھے پر لے گئے جہاں پہنچ کر مولانا مودودی نے کہا "...... آپ کو علم ہے کہ میرے پاس جو علم ہے اس کی ہندوستان بھر میں کہیں قدر نہیں۔ اس لئے میں نے دکن میں آکر پناہ لی ہے۔ اگر کامل نے سرکار تک یہ خبر پہنچا دی تو میں یہاں سے نکال دیا جاؤں گا۔ ہندوستان کی کسی مسجد کے حجرے میں مجھ کو جگہ دے دی جائے گی اور جمعرات جمعرات گوشت وہ بھی گائے کا گوشت ملے گا۔ یہ بھی کوئی مذاق ہے کہ کسی کے پیٹ پر لات مار دی جائے"۔ اس واقعہ سے مولانا مودودی کے حکومت ہند کے پٹھو ہونے اور مفت خورے ہونے کا ثبوت ملتا ہے جس کا داغ پارسائی کا دعویٰ کرنے والے مودودی صاحب آج تک جھٹلا نہیں سکے ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ جوش ملیح آبادی کے خلاف جماعت اسلامی کی وزارت کی کارروائی اپنے مخالفوں کے خلاف "ٹیسٹ کیس" ہے وہ جوش کے خلاف کارروائی کر کے عوام کا ردعمل دیکھنا چاہتی ہے تاکہ آہستہ آہستہ جماعت اسلامی سے اختلاف رکھنے والے شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں پر طرح طرح کے الزامات لگا کر انہیں بلیک لسٹ کر دیا جائے اور جماعت کے ٹٹ پونجیئے ادیبوں اور "دانش ور" کو اپنے فرسودہ اور رجعت پسندانہ نظریات ٹھونسنے کا موقعہ مل سکے۔

شاعرِ انقلاب جوش ملیح آبادی کو خواہ عوام کیلئے نااہل قرار دیدیا جائے یا ان کے افکار و خیالات پر پابندی لگا دی جائے، آزادی کی صبح کا درخشاں خواب دیکھنے والے سامراج کو للکارنے والے اور آزادی کا نغمہ سنانے والے جوش ملیح آبادی کا یہ ترانۂ آزادی گونجتا رہے گا اور تحریکِ آزادی کے مجاہدین کی یاد دلاتا رہے گا۔

کیا ہند کا زنداں کانپ رہا ہے، گونج رہی ہیں تکبیریں
اکتائے ہیں شاید کچھ قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں

چھوٹا منہ بڑی بات

ابوضیا اقبال

کچھ سنا آپ نے: "جمی کارٹر مسلمان ہوگیا اور اس کا اسلامی نام جمیل قادر رکھا گیا ہے"؟

بس اسٹاپ پر مولانا سید نجیب الطرفین نے بتایا تو ہم صرف بھنویں اٹھا کر رہ گئے۔ بڑے نستعلیق بزرگ ہیں۔ انہیں کبھی سچ بولتے دیکھا نہ مذاق کرتے۔ جھوٹ بولتے بھی کبھی نہیں پکڑا ہمارے چہرے پر کم فہمی کا تاثر دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے۔

فرمایا: "کیوں، یقین نہیں آتا مجھ پر"؟

کہا: "آتا تو ہے لیکن زبان کی لکنت کی طرح رک رک کر کیا ... کس اخبار میں آیا ہے"؟

چمک کر بولے: "کون کون سے اخبار پڑھتے ہیں آپ"۔

عرض کی: "جنگ، نوائے وقت، جسارت ..."

"بس بس، اخبار تو آپ اسلامی پڑھتے ہیں لیکن میاں ہر بات ہر اخبار میں نہیں چھپتی ہے"۔

حوصلہ پکڑا کہا: "لیکن ایک مصدقہ خبر کو تو ہر اخبار میں آنا چاہیئے"۔

غصے سے کہا: "کیا یہ ضروری ہے، جب ارشاد راؤ اور محمود شام امریکی سی آئی اے کے ایجنٹ ہو سکتے ہیں تو کیا جمی کارٹر مسلمان ہو کر جمیل قادر نہیں ہو سکتا" یہ کہہ کر یہ جا وہ جا۔

o

ثقافتی امور کے وزیر مملکت جناب جاوید ہاشمی نے ۱۶ دسمبر ۷۸ء کو لاہور میں نگار پبلک ایوارڈز کی تقریب سے صدارتی خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "فلم صرف ابلاغ عامہ کا ہی ذریعہ نہیں۔ یہ آغوشِ مادر کے بعد تربیت کرنے کا واحد ذریعہ ہے"۔

اچھا ہوا جو نوجوان رہنما نے یہ بات سمجھا دی کہ بچہ چلنے اور بولنے کے قابل ہوتا ہے تو مدرسے یا مکتب کی بجائے سیدھا سینما ہال کا رخ کرتا ہے کہ اس کی "واحد" تربیت گاہ وہی ہے۔ یہ سند فلم والوں کے بہت کام آئے گی کہ وہ بالغوں کی طرح نابالغوں کی بھی بلاشرکتِ غیرے تربیت کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور آغوش مادر سے نکلنے کے بعد اسکول یا مکتب کی عمر کو پہنچنے تک گھر کا ماحول، پڑوسی اور ملنے جلنے والے نہیں بلکہ فلم اور صرف فلم ان کی تربیت کا ذریعہ ہے۔

o

جماعت اسلامی پنجاب کے سیکریٹری جنرل جناب چوہدری محمود احمد نے فرمایا ہے کہ "مسلم لیگ سے نکلنے کے بعد حنیف رامے جماعت اسلامی کے خلاف لیگ کو بھڑکانے کی فضول کوششوں میں مصروف ہیں" (جنگ یکم جنوری ۷۹ء)

اس انکشاف سے مسلم لیگ کی معصومیت اور سادگی پر رحم آتا ہے کہ بے چاری اپنے ایک نکالے ہوئے آدمی کے ہاتھوں تختۂ مشق بنی ہوئی ہے اور اس میں صدارت کے لئے جو سوکنوں والے جلاپے، ترپائٹ اور اٹواٹی کھٹواٹی جیسی باتیں ہو رہی ہیں وہ سب پڑوسن بی جمالو کی کارستانی ہے۔ یہی بی جمالو، بی مسلم لیگ اور بی بی جماعت اسلامی کے درمیان بھی کانٹوں کی باڑھ کھڑی کر رہی ہے پیپلز پارٹی والے شکر کریں کہ جناب حنیف رامے ان کے اسٹیج سے اتر کر راستے میں مسلم لیگ کے ناٹک پنڈال میں رک چکے ہیں ورنہ جناب چوہدری محمود احمد کو یہ بتانے کی زحمت گوارا کرنا پڑتی کہ حنیف رامے پیپلز پارٹی سے نکلنے کے بعد اسے جماعت اسلامی کے خلاف اکسا رہے ہیں۔ زور پڑا جماعت اسلامی پر ....

o

سابق صدر پاکستان جناب فضل الٰہی چوہدری نے ۳۱ دسمبر کو لاہور ہائی کورٹ کے بار روم میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "میں لاہور ہائی کورٹ بار میں پڑی ہوئی اس میز کو جہاں اور جس حالت میں چھوڑ گیا تھا وہ میرے احباب سمیت اسی حالت میں پڑی ہوئی ہے"۔ (جنگ یکم جنوری ۷۹ء)

موصوف نے اصحاب کہف کی یاد تازہ کر دی یا پھر الف لیلیٰ کے سوتے جاگتے ابوالحسن کی یاد دلا دی۔ نہ جانے ایسے سادہ لوح انسان نے سیاست کیسے کی! انہیں کہنا تو یہ چاہیئے تھا کہ

چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا
نہ پھول تھے، نہ چمن تھا نہ آشیانہ تھا

البتہ ایک بات ظاہر ہوتی ہے کہ لاہور بار روم بڑا وضعدار ہے کہ اس نے آنجناب کی پرانی میز کو سینت رکھا اور وہ میز بھی بڑی وفادار کہ بہ شرطِ استواری ہے کہ نہ ٹوٹی پھوٹی نہ کرم خوردہ ہوئی اور بڑی استقامت سے "راندۂ درگاہ" کی "مراجعت" کا انتظار کرتی رہی لیکن جناب فضل الٰہی چوہدری کے "احباب" سمجھ میں نہیں آئے جو شاید میز کے ساتھ جوں کے توں موجود ہیں اور وہ بھی لاہور ہائی کورٹ کے احاطے میں!

o

یکم جنوری ۷۹ء کو کراچی میں پانچ افراد ٹرک، بس اور ویگن سے کچل کر ہلاک ہو گئے (جنگ ۲ جنوری)

یہ کوئی خبر نہیں بنی کہ تشویش یا افسوس کیا جائے کہ روزمرہ کے معمولات میں شامل ہے البتہ ایک معنی خیز بات ضرور نکلی ہے کہ ایک حادثے کے عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ ڈیوٹی پر موجود پولیس کانسٹیبل مجروحین کو حادثے کی ذمہ دار ویگن میں ڈال کر اسپتال لے گیا تھا جبکہ پولیس رپورٹ میں حادثے کی ذمہ دار "نامعلوم ویگن" کو ٹھہرایا گیا ہے چونکہ پولیس کا ہے فرض مدد آپ کی، اس نے مجروحین اور ویگن والے دونوں کی مدد اپنا فرض سمجھا اور اس لئے بھی کہ پولیس نے صدر مملکت کے ارشادات پر عمل کرتے ہوئے اب حکومتوں کا سیاسی آلۂ کار بننا چھوڑ دیا ہے اور اس طرح جانبداری ترک کر دی ہے۔

o

جناب غلام اللہ خان نے لاہور میں سوادِ اعظم اہلسنت کی طرف سے منعقدہ پریس کانفرنس میں کہا ہے کہ جناب شاہ احمد نورانی اور جناب عبدالستار خان نیازی کے غیر ملکی دوروں سے اسلام اور پاکستان پر حرف آتا ہے (جنگ ۲ جنوری)

اس حرف آنے کی تفصیل معلوم نہیں ہوئی ہے لہٰذا شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں کیونکہ پاکستان اور اسلام پر تو اس وقت بھی حرف نہیں آتا جب پاکستان کی فلمی اداکارائیں اور رقاصائیں وغیرہ غیر ملکوں میں اپنے ہوشربا فن کے توبہ شکن کمالات دکھاتی ہیں۔ بہرحال کابینہ میں شامل مؤتمنین کو چاہیئے کہ اس بات کا فوری اور سختی سے نوٹس لیں اور ایسے افراد کو کیفر کردار تک پہنچائیں ورنہ سمجھو گیا کہ پاکستان اور اسلام پر حرف آئے، بچے کھچے رہی سہی کسر اتحاد سے خارج اور کابینہ سے باہر یہ حضرات پوری کر رہے ہیں!

پوری کھانے والے مجنوں
خون دینے والے مجنوں

ڈیرہ غازی خان

میر بلخ شیر خان مزاری این ڈی پی میں شامل ہو گئے ہیں

حسن کھوسہ

ایک زمانہ تھا کہ ضلع ڈیرہ غازی خان کے سیاہ و سفید کے مالک نو سردار (تمن دار) تھے۔ ان میں نمایاں حیثیت لغاری اور مزاری سرداروں کی تھی۔ سرداروں کی آپس میں چپقلش، ذاتی عناد و عداوتیں، جرگوں میں اختلافات اور انگریز حکومت کی زیادہ سے زیادہ خوشنودی حاصل کرنے کے لئے رقابتوں کی بنیاد پر لغاری اور مزاری گروپ کا وجود عمل میں آیا۔ ان گروپوں میں شامل سردار اپنے مفادات کے پیش نظر ایک سے دوسرے اور دوسرے سے پہلے گروپ میں شمولیت اختیار کرتے رہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ کوئی سردار مستقلاً کسی ایک گروہ میں باقاعدگی سے نہ رہا اور گروپ بدلی ہوتی رہی۔ ان کے سربراہ لغاری اور مزاری سردار الگ الگ انگریز سرکار کو اپنی وفاداریوں کی یقین دہانی کرتے رہے۔ پاکستان بننے کے بعد سرداروں کے مجسٹریٹی اختیارات ختم کر دیئے گئے لیکن جاگیریں ان کے پاس رہیں اس لئے ضلعی سیاست پر بدستور ان کا غلبہ رہا چنانچہ ضلع کی سیاست کا محور لغاری اور مزاری سردار ہی رہے۔

ڈیرہ غازی خان میں ملک کی سیاسی جماعتوں کا عمل دخل کم ہی ہوتا تھا۔ آزاد امیدوار کی حیثیت سے لغاری اور مزاری گروپ سے وابستہ سردار الیکشن میں حصہ لیتے تھے اور کامیابی حاصل کر کے برسر اقتدار سیاسی پارٹی سے جا ملتے تھے۔ دونوں حریف لغاری اور مزاری سردار اسمبلی میں ایک ہی سیاسی جماعت مسلم لیگ (برسر اقتدار) کے ساتھ رہے۔ وزارتیں ہر آئے دن ٹوٹتی رہیں مگر یہ ہر کابینہ کے رکن رہے اور انہوں نے ہر برسر اقتدار ٹولے سے اپنا ناطہ جوڑے رکھا۔ ایوب خان کے مارشل لاء اور ایبڈو سے ان کی سیاسی حیثیت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی اور یہ اس کی سیاسی جماعت کنونشن لیگ میں شامل ہو گئے۔ یحییٰ خان کے مارشل لاء کے نفوذ سے کسی سیاسی جماعت کی حکومت نہ رہی تو ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں سردار آزاد امیدوار ہی تھے اور پیپلز پارٹی کے سخت مخالف۔ پیپلز پارٹی کو نمایاں کامیابی نصیب ہوئی اور سردار بھی اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے چنانچہ اقتدار پیپلز پارٹی کے ہاتھ میں آیا اور سردار بھی۔ ان سرداروں نے مختلف مواقع پر اپنی ذاتی مفاد پرستی اور موقع پرستی کو حکمت عملی قرار دیتے ہوئے واضح فرمایا چونکہ ہمارے ضلع کے عوام غریب ہیں اس لئے اقتدار میں رہ کر ہی انہیں

نتیجے کے طور پر ضلع میں مؤثر جماعتی سیاست یا ملک کی سیاسی جماعتوں کی مؤثر مداخلت کے آغاز کا مرحلہ آیا۔ اب کسی بھی سردار کے لئے آزاد امیدوار کے طور پر انتخاب جیتنا مشکل نظر آنے لگا اس لئے کسی سیاسی جماعت کا سہارا لینا، الیکشن میں امیدوار ہر سردار کے لئے ضروری ہو گیا۔ چنانچہ جہاں سینگ سمارہے ہیں سبھی اپنی جگہ بنا رہے ہیں۔

سردار ذوالفقار خان کھوسہ این ڈی پی اور سردار نصراللہ خان دریشک تحریک استقلال میں شامل ہو چکے ہیں۔ سردار نصراللہ خان دریشک کو تحریک استقلال میں شامل کرانے پر سردار میر بلخ شیر خان مزاری کو تحریک کے ڈھول کا پول نظر آیا تو خود اپنے بھائی (سردار شیرباز خان مزاری) کی جماعت نیشنل ڈیموکریٹک میں شمولیت کے لئے پر تول رہے ہیں۔ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عوام پہلے سے کہیں زیادہ باشعور ہو چکے ہیں اور سرداروں

فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے۔ حزب اختلاف میں تو صرف نقصان ہی ہے جس کے متحمل عوام نہیں ہو سکتے لہٰذا سرداروں نے عوام کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہر تی سرکار کا ساتھ دیا مگر ایک سردار، سردار فاروق احمد خان لغاری اپنے قبیل کے دوسرے لوگوں سے مختلف اور منفرد دکھائی دیتے ان کی سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۶۲ء میں ممبر کی حیثیت سے ہوا۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر قومی [illegible] ممبر منتخب ہوتے اور پھر وفاقی کابینہ میں وزیر پیداوار مقرر ہوئے پیپلز پارٹی کی حکومت کے خاتمے پر بجائے "چوری کھانے والے مجنوں" کے "خون دینے والے مجنوں" ثابت ہوئے۔

۱۹۷۷ء کے الیکشن میں یہاں کے سب سردار پیپلز پارٹی کے ٹکٹوں پر کامیاب ہوئے کیونکہ حسب روایت سبھی برسر اقتدار جماعت (پیپلز پارٹی) کے رکن تو جماعت کو اقتدار ملنے کے بعد بن ہی گئے تھے اور اب اس سے چمٹے رہنا چاہتے تھے مگر الیکشن کے بعد کی سیاسی افراتفری سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ نو جماعتی الحاق "قومی اتحاد" مستقبل کا حکمران ٹولہ ہے چنانچہ اقتدار کی لو جو "قومی اتحاد" کے بے بو اتحاد سے انہیں آئی۔ جھٹ پیپلز پارٹی کو خیرباد کہا اور نو جماعتوں سے پینگیں لڑانے کے نو بہ نو حربے آزمائے۔ ملک پر تیسرے مارشل لاء کا نفاذ ہوا۔ الیکشن ملتوی ہو گیا۔ ۱۹۷۹ء الیکشن کا سال ٹھہرا۔ ۱۹۸۵ء کے الیکشن کے بعد تادم تحریر جو سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کے

پر اپنی حقیقت آشکار ہو چکی ہے۔ عوام کی رائے کے مالک مطلق الحکم سردار ضلعی سیاست کے اجارہ دار نہیں رہے بلکہ باشعور عوام بخوبی اپنی مرضی کا اظہار کر سکتے ہیں۔ یہاں اگر ضلع ڈیرہ غازی خان نو سرداروں کے دو گروہوں لغاری گروپ اور مزاری گروپ کے سیاسی تسلط سے آزاد ہوتا اور ان گروہوں کا وجود حرف غلط کی طرح مٹتا نظر آتا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ عوامی قیادت کا سہرا کس کے سر آتا ہے۔ سہرا اسی سر سجے گا جو اس کے شایان شان ہو گا۔ ان حالات میں کہ جہاں بقول شخصے۔ چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے، سہرا اسی سر سجے گا جو سر دار کٹانے کو تیار ہو گا۔

ایسے میں عوام کی نگاہیں پابند زنداں اس مرد جواں پر جمی ہیں جو سلاخوں کے پیچھے مسکرا رہا ہے اور اپنے ضلع کے عوام کو روشن مستقبل کی تصویر دکھا رہا ہے جس کے پاکیزہ کردار کی لوگ قسمیں کھاتے ہیں جس کی بے داغ زندگی سے حسد کرنے والے داغ دار لوگ اس کے ضلع کے دوروں کے دوران نئے نئے بیانات داغ کر عوام کو بے وقوف بنانے کی سعی ناکام کر کے چلتے بنتے ہیں جس کے ضلع کی ترقی کے منصوبوں کے بہانے سیاسی رشوتیں دینے کے پروگرام بنتے رہتے ہیں جس کے جانثاروں پر کوڑے برسائے گئے جس کی مقبولیت سے گھبرا کر اسے قید بامشقت کی سزا دی گئی وہ ہیں سردار فاروق احمد خان لغاری جنرل سیکرٹری پاکستان پیپلز پارٹی۔

ان کی گرفتاری کے بعد ضلع ڈیرہ غازی خان میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ دس دن تک ڈیرہ غازی خان کے ٹریفک چوک پر گرفتاریاں پیش کی گئیں۔ پہاڑی علاقوں میں کافی عرصہ تک ٹریفک بند رہی اور ضلع کی تمام ٹریفک میں خلل پڑ گیا۔ 'بغل چور' (جہاں سے یورینیم نکالا جا رہا ہے) کا تین دن تک مسلح قبائلیوں نے محاصرہ کئے رکھا۔ قبائلیوں کو ڈرا دھمکا کر، سیاسی رشوتوں کی پیشکش کر کے اور فاروق لغاری کی رہائی کا جھوٹا وعدہ کر کے انہیں محاصرہ توڑنے پر مجبور کیا گیا۔ ان کے حلیف سرداروں نے کسی بھی سرکاری تقریب میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا جن میں سردار دوست محمد خان بزدار اور سردار منظور احمد خان قیصرانی شامل ہیں۔ دوسری طرف این ڈی پی کے سربراہ سردار شیرباز خان مزاری نے ضلع کا دورہ کیا۔ قومی اتحاد سے علیحدگی کی وجوہات بتلائیں اور اس پر کڑی نکتہ چینی کی الیکشن پر زور دیا گیا۔ بلوچوں کی مظلومیت کا رونا رویا گیا اور سرائیکی صوبے کی حمایت کی لیکن ان کی توقعات اس لئے پوری نہ اتریں کہ ہر مقام پر فاروق لغاری کی شخصیت آڑے آئی اور ان کی نجی محفلوں میں صرف فاروق خان کا تذکرہ رہا۔ آج فاروق لغاری نے اپنے خاندان اور قوم کے تاریخی ورثے کی لاج رکھ لی جبکہ ۱۸۴۸ء میں لغاریوں نے مقامی حکومت کی حمایت میں بدیسی حملہ آور انگریز کی مخالفت کی تھی یوں فاروق لغاری آج ضلع ڈیرہ غازی خان کے غریب عوام کی آواز بن گئے ہیں۔

مال بچانے کے لئے نیازی کی دوستی افیون کا استعمال اور جاسوسی

سیمنٹ کی ایجنسیاں منسوخ ہونے کے باوجود بلیک جاری ہے!

جڑانوالہ **** اعجاز بٹ

تحصیل جڑانوالہ میں ۳۸۷ چکوک ہیں اور کل آبادی ۷ لاکھ ہے جس میں سے جڑانوالہ شہر کی آبادی ۸۰ ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ شہر میں تین ملیں ہیں۔ حسین شوگر ملز جس میں تقریباً ۱۵۰۰ مزدور ہیں، کریسنٹ جوٹ ملز میں ۵۰۰۰ اور تیزاب ملز میں تقریباً ۳۰۰ مزدور کام کرتے ہیں۔ چار برف کے کارخانے ہیں۔ ان ملوں میں مزدوروں کی حالت نہایت خستہ ہے۔ وہ جب بھی اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کرتے ہیں۔ انتظامیہ ان پر جھوٹے مقدمات قائم کروا کر ان پر تشدد کرواتی ہے اور انہیں ملازمت سے برطرف کر دیا جاتا ہے۔ حسین شوگر ملز کے سابق صدر خان محمد امین خان جو لیبر فیڈریشن جڑانوالہ کے صدر ہونے کے علاوہ آل پنجاب شوگر ملز ایمپلائیز فیڈریشن کے جنرل سکریٹری بھی ہیں۔ حال ہی میں ڈسٹرکٹ جیل فیصل آباد سے رہا ہو کر آئے ہیں۔ انہیں مارشل لاء کے متعدد ضابطوں کے تحت تین ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے مقامی مزدوروں کو منظم کیا اور انہیں اجتماعی شعور دیا۔ وہ کسانوں میں بھی خاصہ کام کر رہے ہیں۔

پیپلز پارٹی کے مقامی کارکن انتہائی نامساعد حالات کے باوجود غریب عوام سے رابطہ قائم رکھے ہوتے ہیں لیکن پارٹی کے سابق ممبران قومی و صوبائی اسمبلی گھروں میں دبکے بیٹھے ہیں۔ سابق ایم پی اے جناب حمید اللہ خان مولانا کوثر نیازی سے ایک لمحے کے لئے جدا نہیں ہوتے ہیں۔ جو کچھ انہوں نے گزشتہ سالوں میں دھونس اور دھاندلی سے کمایا ہے اسے بچانے کی فکر میں ہیں۔ افیون کھاتے اور جاسوسی کراتے ہیں۔ انہیں ان ہی دو مشاغل سے فرصت نہیں ہے۔

گزشتہ دنوں تحریک استقلال کے سربراہ ایئر مارشل (ریٹائرڈ) جناب اصغر خان یہاں تشریف لائے تھے اور یہ کہہ کر چل دیتے تھے کہ پی این اے اسلامی نظام کے معاملے میں مخلص نہیں ہے۔ اسی لئے میں نے پی این اے کو چھوڑ دیا ہے۔ انہوں نے جناب مفتی محمود پر الزام لگایا کہ مفتی صاحب نے نہ اسلام کی کوئی خدمت کی ہے نہ پاکستان کی۔ اس کے بعد بیس کاروں کا جلوس ایئر مارشل (ریٹائرڈ) کو لے کر کھڑیانوالہ پدھار گیا۔

دو روز قبل وفاقی وزیر بریگیڈیئر عطا محمد تشریف لائے تو پی این اے کے لیڈروں نے اتحاد کے بعض کھاد اور سیمنٹ ایجنسی ہولڈروں پر الزام لگایا کہ وہ سیمنٹ اور کھاد کی بلیک کر رہے ہیں۔ بریگیڈیئر صاحب نے اپنے جوابی خطبے میں ارشاد فرمایا کہ عوامی دور کی تمام ایجنسیاں اور ڈپو منسوخ کر دیئے گئے ہیں پھر یہ بلیک کیسے ہو رہی ہے۔ اچھا۔ اچھا۔ اللہ پہ بھروسہ رکھو۔ خود بخود ہر چیز ٹھیک ہو جائے گی دوسرے آپ لوگ اچھے لوگوں کی فہرست بنا کر دیں تاکہ انہیں سیمنٹ وغیرہ کی ایجنسیاں الاٹ کی جائیں اور یاد رکھو کہ اس فہرست میں سے مقامی انتظامیہ بہترین افراد کی فہرست خود مرتب کر کے سفارش کے ساتھ ہمیں بھیجے گی اور تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔

بقیہ: کیانی

ہائی کورٹ کو اس کی کامیابی کی نشاندہی کرتی ہے۔ مارشل لاء کے وجود میں آنے کے بعد میں پُر امید ہو گیا اور معاملہ پر پھر سے زور دیا۔ میں نے کہا کہ مجسٹریلیسی کی کارکردگی میں راتوں رات تبدیلی آ جائے گی اگر مکمل کنٹرول ہائی کورٹ کے حوالے کر دیا جائے لیکن میں نے کیا دیکھا؟ یاجوج ماجوج مختلف لباسوں میں اعلیٰ سطحی کانفرنس میں بھی موجود تھے اور انہوں نے فوج کے سادہ آدمی کو قائل کر لیا کہ چونکہ ڈپٹی کمشنروں کو بگاڑنے کے لئے وزراء موجود نہیں تھے اس لئے ڈپٹی کمشنر مجسٹریٹوں کو زیادہ بہتر طور پر قابو میں رکھ سکیں گے جیسے کہ پرانے ڈپٹی کمشنر رکھا کرتے تھے اور پرانے ڈپٹی کمشنر کیا کرتے تھے؟ کیا انہوں نے مجسٹریلیسی کو آزاد کیا تھا؟ اس طرح فوج کی روایتی پھرتی کے ساتھ یاجوج ماجوج نے اگلے ہی دن ایک سر دچھپا ہوا حکم پیدا کیا کہ تجربہ ختم کر دیا گیا۔ ہائی کورٹ سے مشورہ کرنے کے تکلف کے بھی بغیر۔ یاجوج ماجوج نے کہا: اگر آپ نے ہائی کورٹ سے مشورہ کیا تو ہم مارے گئے! یاجوج اور ماجوج کے بارے میں کتاب مقدس میں بھی کچھ کہا گیا ہے۔ وہ زمین پر فساد کی جڑ ہیں۔

میں نے فوج کے اس بھلے آدمی سے کہا یہ مجھے دو بھائیوں کی یاد دلاتا ہے جنہوں نے بہت عرصہ پہلے جب میں ڈسٹرکٹ جج تھا۔ ایک دوسرے کے خلاف مقدمہ بازی کی تھی۔ ان میں سے ایک فوج سے ریٹائر ہوا تھا، دوسرا پولیس سے۔ میں نے ان کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا کیونکہ وہ دونوں بھائی تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا: میں فوج میں تھا اور میرا یہ بھائی پولیس میں۔ اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا عدالت میں آنا میری غلطی کی وجہ سے ہے۔

اب شاید ایک معاملہ رہ گیا جس کا آپ نے ذکر کیا تھا یعنی کمیشن برائے قانونی اصلاحات۔ میں مانتا ہوں کہ ایسے کسی کمیشن کے لئے جو لوگ زیادہ مددگار ہو سکتے ہیں وہ آپ میں سے ہو سکتے ہیں جو قانون کے پُرپیچ راستوں سے گزر چکے ہیں اور اس کے مختصر راستوں سے بھی واقف ہیں۔ کمیشن کے چیئرمین آپ کے جانے پہچانے آدمی ہیں اور میں آپ کے احساسات ان تک پہنچا دوں گا۔

حضرات اب وقت ہے کہ میں رک جاؤں۔ صرف آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے آپ نے میرے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ اتنا عظیم ہے کہ میں اسے دہراتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس کی صداقت پر یقین کرنے کی عام غلطی کا شکار ہو جاؤں۔ انسان کی کمزوری اسے تعریف کے الفاظ کو قبول کرنے پر اکساتی ہے۔ جو بات میں خلوص کے ساتھ قبول کر سکتا ہوں یہ ہے کہ میرے جاگتے لمحوں میں میری مشقت پسندی میرے اندر گدھے کی سست عام فہم کو بحفاظت منزل پر پہنچنے میں مدد دیتی ہے کیونکہ یہ گدھے کی عام فہم ہی ہے جو اس کے سڑک کے درمیان کھڑے ہونے پر اصرار کرتی ہے تاکہ موٹر سوار فرصت کے ساتھ یہ فیصلہ کر سکے کہ اسے کونسی سمت اختیار کرنی چاہیئے۔ بہرحال گدھا اب ایسا خر بھی نہیں ہے جیسا کہ آپ سمجھتے ہیں اور مجھ سے بہتر کتنے لوگوں نے اس کی اس ہٹ دھرمی کی نقل کی ہے لیکن اکثر میں عدالت میں سو جاتا ہوں اور اس لئے میں اتفاق کرتا ہوں کہ اس مرحلے کے بعد میں آپ کے دلائل صبر و سکون کے ساتھ سنتا ہوں۔ توصیفی کلمات کے بارے میں میری خواہش ہے کہ آپ ایک سخت کفایت کا قانون بنائیں۔ ۶ یا ۷ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی ہو سکتی ہے جو یہ دیکھے کہ مبالغہ آمیز کلمات استعمال نہ کئے جائیں۔ ایک زمانے میں ایک ایڈووکیٹ جنرل ہوتے تھے جو توصیفات کو ایسے شاندار الفاظ میں نقل کرتے تھے کہ جج صاحبان کو اکساہٹ ہوتی تھی کہ انتقال فرما جائیں تاکہ ایسا مبالغہ آمیز ریفرنس حاصل کر سکیں۔

ان الفاظ کے ساتھ میں آپ کو خدا حافظ کہتا ہوں۔

پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کی کانفرنس

رپورٹ

شوکت حیات

موجودہ نظام کو تبدیل کر دیا جائے

گروہ بندیاں ختم کر کے مزدور کسان راج قائم کرو

۲۸-۲۹ دسمبر کو ابراہیم علی بھائی آڈیٹوریم کراچی میں پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کے زیر اہتمام امن۔ آزادی۔ ترقی اور سوشلزم کی دو روزہ لیبر کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں ملک بھر سے ایک ہزار سے زائد مندوبین نے شرکت کی۔ کانفرنس میں شریک مندوبین نے فیڈریشن سے منسلک ۲۵۲ یونینوں کے دو لاکھ سے زائد محنت کشوں کی نمائندگی کی۔ کانفرنس میں بڑی تعداد میں طالب علموں کسانوں اور دانشوروں نے بھی شرکت کی۔

۲۸ر-۲۹ر دسمبر کو ابراہیم علی بھائی آڈیٹوریم کراچی میں پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کے زیر اہتمام امن، آزادی۔ ترقی اور سوشلزم کی دو روزہ لیبر کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں ملک بھر سے ایک ہزار سے زائد مندوبین نے شرکت کی۔ کانفرنس میں شریک مندوبین نے فیڈریشن سے منسلک ۲۵۲ر یونینوں کے دو لاکھ سے زائد محنت کشوں کی نمائندگی کی۔ کانفرنس میں بڑی تعداد میں طالب علموں، کسانوں اور دانشوروں نے بھی شرکت کی۔

پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کی یہ کانفرنس ان حالات میں منعقد ہوئی جب کہ پاکستان آزادی کے ۳۱ر سالوں بعد بھی گہرے معاشی، سیاسی اور روحانی بحران میں مبتلا ہے ملک پر ۷۰ر ارب روپے کا سامراجی قرضوں کا بوجھ ہے۔ صنعتی ترقی رک گئی ہے۔ ملک کی سب سے بڑی صنعت مفلوج ہے۔ خوراک میں خود کفالت قصۂ پارینہ بن چکی ہے۔ حکومت کا غیر پیداواری خرچ بڑھ چکا ہے۔ اور عوام کا معیار زندگی پست ہو رہا ہے۔ ٹیکسوں کے بوجھ سے عوام کی کمر جھکی جا رہی ہے۔ مہنگائی بے روزگاری بڑھ رہی ہے۔ ہنرمند لوگ لاکھوں کی تعداد میں بہتر معاش کے لئے ملک سے باہر جا چکے ہیں۔ جہاں تک محنت کشوں کا تعلق ہے آج ۳۱ر برسوں بعد مزدور طبقہ کی دوسری نسل اپنے آپ کو اپنے پیش رو کی نسبت زیادہ خستہ حال، مجبور اور مسائل میں گھری ہوئی محسوس کرتی ہے۔ آزادی کے بعد جس مزدور طبقہ نے اپنے اور اپنی آنے والی نسلوں کی ترقی، خوشحالی اور روشن مستقبل کا جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر تو کیا ہوئی۔ ان برسوں میں حکمران طبقات نے سامراج کے گٹھ جوڑ سے محنت کشوں کی ننگی لوٹ کر کے اور ان کے رہے سہے حقوق غصب کر کے ان کی وہ گت بنائی ہے کہ آج ان کو اپنے انسان ہونے پر شک ہونے لگا ہے۔

اس لیبر کانفرنس میں فیڈریشن نے جو عالمی سطح پر ورلڈ فیڈریشن آف ٹریڈ یونین سے ملحق ہے۔ سوشلسٹ ممالک کی مزدور برادری کے نمائندوں کو کانفرنس میں مدعو کیا۔ لیکن حکومت پاکستان کی جانب سے ویزا کی سہولتیں نہ دینے کی بنا پر غیر ملکی مہمان کانفرنس میں شریک نہ ہو سکے۔

اس موقع پر فیڈریشن کو سوویٹ یونین، افغانستان، ویت نام بلغاریہ۔ ہنگری، چیکوسلاواکیہ، پولینڈ، رومانیہ، ڈیموکریٹک جرمنی، عوامی جمہوریہ کوریا، فلسطین، بھارت کی ٹریڈ یونینوں اور ورلڈ فیڈریشن آف ٹریڈ یونینز کی جانب سے پیغامات موصول ہوئے۔ جس میں پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی امن، آزادی۔ ترقی اور سوشلزم کی کانفرنس کے انعقاد پر خوشی کا اظہار کیا گیا اور اس کی کامیابی کی تمنا کی گئی۔ پاکستان کے محنت کشوں کی جانب سے اپنے حالات زندگی کی بہتری، منصفانہ سماجی نظام کے قیام کی جدوجہد، خوشحال معاشرے کے قیام اور پائیدار عالمی امن کی جدوجہد کے ساتھ اپنی یکجہتی کا اظہار کیا گیا۔

۲۸ر-۲۹ر دسمبر کو لیبر کانفرنس کے تین اجلاس منعقد ہوئے۔ اپنی افتتاحی تقریر میں فیڈریشن کی صدر محترمہ کنیز فاطمہ نے کہا کہ "لیبر کانفرنس ایک لمبے وقفے کے بعد منعقد ہو رہی ہے اور ہمارے ملک کی تاریخ میں ایسی پہلی کانفرنس ہے.... پاکستان ٹریڈ یونین فیڈریشن ہمارے ملک کے محنت کشوں کی سب سے زیادہ منظم، سب سے پرانی اور ملک گیر تنظیم ہے، ہماری تنظیم برصغیر کے محنت کشوں کی سب سے زیادہ شاندار روایت کی مالک آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگریس کی جانشین ہے ہم اپنے ملک میں ان شاندار روایات کے وارث ہیں جو ہمارے برصغیر میں آل انڈیا ٹریڈ یونین کانگرس کے پرچم تلے برصغیر کے محنت کشوں نے متحدہ ہندوستان میں نصف صدی کی انتھک جدوجہد کے بعد قائم کی تھیں"

محترمہ نے کہا کہ ہمارے ملک کی ٹریڈ یونین تحریک پر ابھی تک اکانومزم کی چھاپ ہے مگر محنت کش عوام اپنے تجربے سے یہ سبق سیکھ رہے ہیں کہ موجودہ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام پیداوار جو آج کل سخت بحران کا شکار ہے ہیں اکانومزم کی جدوجہد ان کے مسائل کا حل پیش نہیں کرتی اور وہ سوچنے لگے ہیں کہ ان کے مسائل اس وقت حل ہوں گے جب ملک کے موجودہ نظام کو تبدیل کر دیا جائے اور مزدور کسان راج قائم کر دیا جائے۔ ہماری فیڈریشن محنت کشوں کے اِس شعور کو اجاگر کرنے میں ان کی معاون و مددگار ہے۔"

کانفرنس میں فیڈریشن کے مرکزی جنرل سیکرٹری جناب بشیر احمد نے فیڈریشن کی پچھلے چھ سالوں کی کارکردگی اور محنت کشوں کے مسائل پر مبنی طویل رپورٹ پیش کی۔ صوبہ سندھ سے جناب سلیم رضا، صوبہ سرحد سے جناب عبدالوحید صوبہ بلوچستان سے جناب بہادر خان نودھانی اور صوبہ پنجاب سے ملک اسلم نے فیڈریشن کی صوبائی کمیٹیوں کی جانب سے رپورٹیں پیش کیں۔ ملک کے ہاریوں اور کھیت مزدوروں کے مسائل پر مبنی رپورٹ پاکستان کسان کمیٹی کے صدر چوہدری فتح محمد نے پیش کی۔ کانفرنس سے چاچا محمد دین عمر فاروق، نبی بخش ماما، امان خان، فرید اعوان، محمد حسین، محمد رمضان، قمر کاظمی، کرشن لال، صفی اللہ عباسی، اللہ داد لونی سلیم احمد، صفدر سندھو، اشفاق احمد اعوان، حاجی خان ڈاہری خادم حسین، دیوان روچی رام، مہربان شاہ۔ بشارت اعوان، میر زمان اور انیس ہاشمی صاحب نے خطاب کیا۔ مقررین نے اِس امر کا اظہار کیا کہ پاکستان کے محنت کشوں کی ایک صاف ستھرے اور خوشحال معاشرے کی تمنا صرف اِسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے جب کہ پاکستان کا مزدور طبقہ اپنے تاریخی فریضہ کی بجا آوری کے لئے گروہ بندیوں کا خاتمہ کرے سرمایہ داری نظام کو قائم رکھنے والی شخصیتوں اور سیاسی پارٹیوں کے فریب سے قطع تعلق کرے۔ اپنے انقلابی فلسفہ سے مسلح ہو کر ملکی اور عالمی ہمنواؤں اور دشمنوں کی تمیز کرے اور اپنی طبقاتی تنظیموں میں منظم اور متحد ہوتے ہوئے اپنی جدوجہد کو نہ صرف اپنے معاشی، ٹریڈ یونین اور جمہوری ...

---

2 جنوری ملتان

3 جنوری روہڑی

نہتے مزدوروں اور خواتین پر تشدد کا شرمناک مظاہرہ

آج سالِ نو کا آغاز ہے۔ یکم جنوری ۱۹۷۹ء سندھ سیمنٹ ورکرز یونین روہڑی کے عہدہ داران کی مارشل لاء ہیڈ کوارٹر میں طلبی ہوئی ہے۔ یونین کے نائب صدر اور جنرل سکریٹری اسرار خان اور محمد بخش ۱۱ بجے جب بریگیڈیئر صلاح الدین کے پاس پہنچتے ہیں تو وہاں سمری ملٹری کورٹ کے لفٹننٹ کرنل اظہر کے علاوہ ڈسٹرکٹ۔ سول اور روہڑی سیمنٹ ورکس انتظامیہ کے سربراہ ڈپٹی کمشنر۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس جنرل منیجر عبدالصمد اور منیجر ایڈمنسٹریشن امیر علی شاہ موجود ہوتے ہیں۔ آخرالذکر امیر علی شاہ کا فوجی حکومت کے قیام کے کچھ ہی عرصہ بعد فیکٹری میں سندھی غیر سندھی منافرت پھیلانے کے الزامات کے تحت روہڑی سے حیدرآباد تبادلہ کر دیا گیا تھا لیکن تقریباً ½۱ سال کا عرصہ گذرنے کے بعد کارپردازانِ حکومت کو شاید اپنی غلطی کا احساس ہو گیا کہ وہ ان کے لئے کس تک مفید آدمی ہے۔ چنانچہ روہڑی سیمنٹ ورکس کے مزدوروں کو مارنے کے منصوبہ کی تکمیل کے لئے ۸ دسمبر ۱۹۷۸ء کو وسیع تر اختیارات کے ساتھ انہیں واپس روہڑی بلا لیا گیا۔ اسرار خان کا کہنا ہے کہ بریگیڈیئر صاحب کے دفتر میں اتنے سارے خوش وضع اور خوش پوشوں کو دیکھ کر انہیں گمان ہوا گویا اس کمرے میں سال نو کی کسی تقریب کا اہتمام کیا گیا ہے اور پھر ان کی یہ بات درست ثابت ہوئی چونکہ سانحہ ملتان سے قبل شاید یکم جنوری ۱۹۷۸ء کے موقع پر بھی اس قسم کا کوئی اجلاس لگا ہو گا۔ چنانچہ وہ جیسے ہی دفتر میں داخل ہوتے دھمکاتے ہوئے کہا گیا کہ ہم تمہاری طاقت دیکھ لیں گے۔ اس محفلِ جشنِ سال نو سے قبل ایک افسر کی جانب سے "تمہیں مسل کر رکھ دیں گے"، "صحافیوں۔ کسانوں اور لاڑکانہ کے مزدوروں سے تمہارا کیا واسطہ۔ ہمیں یہ حساب کتاب بھی تم سے کرنا ہے"، "ادھر روس چین نہیں چلے گا" کی بازگشت فضا میں پہلے ہی موجود تھی۔ اس بازگشت کے دوران اب غالباً آخری فیصلہ ہو چکا تھا۔ روہڑی سیمنٹ کے مزدوروں سے سرکار والاتبار کی برہمی کا بنا اس وقت ابھری جب روہڑی کے مزدوروں نے صحافیوں کی تحریک میں شمولیت اختیار کر کے گرفتاریاں پیش کیں اور پھر لاڑکانہ کے مزدوروں کے ساتھ جدوجہد میں شمولیت اختیار کرتے ہوئے پاکستان بھر میں مزدوروں کے ساتھ اختیار کردہ رویّے اور خاص طور پر لاڑکانہ کے مزدوروں کی طویل جدوجہد تالہ بندی اور تنخواہوں کی عدم ادائیگی کے خلاف ۲۴ اکتوبر ۷۸ء،

اسرار خان نائب صدر سندھ سیمنٹ ورکرز یونین   مولا بخش جنرل سکریٹری   محمد بخش جوائنٹ سکریٹری

حقوق تک محدود نہ تھے بلکہ اس ملک سے جاگیرداری، سرمایہ داری اور سامراجی مفادات کا خاتمہ کرتے ہوئے مزدور کسان راج قائم کرے۔ اسی میں مزدور طبقہ اور دبے کچلے عوام کی بقا ہے آج ارد گرد تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں پاکستانی مزدور طبقہ کا اولین فریضہ بھی یہی ہے۔

کانفرنس سے پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے سیکریٹری جنرل جناب عابد حسن منٹو، فیڈریشن کے بانی اور سوشلسٹ پارٹی کے صدر جناب سی آر اسلم نے خطاب کیا اور جناب حبیب جالب، رئیس امروہی اور خریب لدھیانوی نے اپنا کلام سنایا۔ جناب سی آر اسلم نے کہا کہ ملک میں جمہوریت کی بحالی اور عوام کی خوشحالی صرف محنت کشوں کے اقتدار حاصل کرنے سے ہی ممکن ہے۔ افغانستان کے عوام نے یہ کام سرانجام دے دیا ہے اور ایرانی عوام شہنشاہی آمریت کے خلاف اور سامراجی مفادات کرنے کے لئے عظیم الشان جدوجہد کر رہے ہیں اور ان کی فتح یقینی ہے۔ پاکستان کے محنت کش اس خطہ میں انقلابی تبدیلیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

محترمہ کنیز فاطمہ نے اپنی اختتامی تقریر میں ملک کے محنت کشوں پر زور دیا ہے کہ وہ آنے والے وقت، کے لئے اپنے آپ کو ایک پلیٹ فارم پر منظم اور متحد کریں اور ملک میں قائم استحصالی نظام کو ختم کرنے کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔

کانفرنس میں فیڈریشن کی نئی مرکزی تنظیم کا چناؤ عمل میں آیا اور مندرجہ ذیل عہدیدار منتخب ہوئے۔

۱: صدر، محترمہ کنیز فاطمہ

۲: نائب صدر، عبدالوحید خان سرحد، بہار خان نودھانی (بلوچستان) ایوب علی زیدی (پنجاب)

۳: جنرل سیکرٹری بشیر احمد (پنجاب)

۴: جائنٹ سیکرٹری۔ سلیم رضا (سندھ) مشتاق حسین (سرحد) حبیب الرحمٰن (بلوچستان)

۵: آرگنائزنگ سیکرٹری: شوکت حیات

۶: پبلسٹی سیکرٹری حسن عسکری

۷: فنانس سیکرٹری فرید اعوان اور ۲۰ رکنی مجلس عاملہ منتخب ہوئی۔

کانفرنس میں ملکی اور بین الاقوامی امور پر متعدد قرار دادیں پاس کی گئیں۔

کو کل پاکستان مزدور کانفرنس کا روہڑی میں انعقاد عمل میں لایا۔

مذکورہ کانفرنس میں کراچی سے لے کر کوہاٹ تک کے مزدور یونینوں کے چار سو مندوبین شریک ہوتے۔ محنت کش عوام کے اندر وقت کے ساتھ یکجہتی کا جذبہ بڑھ رہا ہے جس نے حکمران طبقات کو سراسیمہ کر رکھا ہے۔ اسی کا ایک مظاہرہ اکتوبر کی دوسری دہائی میں اس وقت ہوا جب سکھر جیل سے رہا ہونے والے صحافیوں کو روہڑی فیکٹری میں یونین نے استقبالیہ دیا اور ایک بیمار صحافی کو جب سکھر اسپتال لے جانے کے لئے ٹرانسپورٹ کی ضرورت پیش آئی تو یونین کے معاہدے کے مطابق کرائے کی ادائیگی کے باوجود ٹرانسپورٹ کی سہولت فراہم کرنے سے انکار کر دیا گیا (واضح ہو کہ روہڑی سیمنٹ ورکس شہر سے تقریباً تین میل دور ایک الگ تھلگ جگہ پر قائم ہے) اس پر یونین کی جنرل باڈی نے اپنے مہمان برادری کے فرد کے خلاف اس انسانیت دشمن اقدام کے خلاف فیصلہ کر دیا کہ فیکٹری کی کوئی گاڑی افسران بھی اپنے نجی کاموں کے لئے استعمال نہ کر سکیں گے۔ تین روز تک فیکٹری کی تمام گاڑیاں جو نجی استعمال میں آتی تھیں بند رہیں فیکٹری انتظامیہ اس دوران تمام تر ذمہ داری ضلعی انتظامیہ پر ڈالتی رہی۔ چوتھے روز ڈپٹی کمشنر نے فیکٹری میں آکر وضاحت کی کہ ہم نے اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا اور نتیجتاً سینکڑوں مزدوروں کی موجودگی میں مزدور دشمن جنرل مینجر نے اپنے رویے کی معافی مانگی۔

آل پاکستان مزدور کانفرنس روہڑی کا انعقاد پاکستان بھر کے مزدوروں کا لاڑکانہ کے مزدوروں کی جدوجہد کے ساتھ یکجہتی کا ایک عظیم مظاہرہ تھا چونکہ یونین اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ ملک بھر کے محنت کشوں اور مظلوم طبقات کا اتحاد نرم اور آرام دہ کرسیوں پر خوش گپی میں نہیں بلکہ عمل اور جدوجہد کے دوران یکجہتی ہی کے ذریعے پرورش اور نشوونما پا سکتا ہے۔ اس اتحاد کی اہمیت کا اندازہ مزدور اور عوام دشمنوں کے رویے سے بھی واضح ہو گیا جب کہ مذکورہ کانفرنس کے خلاف بیک وقت مالکان۔ محکمہ محنت۔ ڈسٹرکٹ انتظامیہ اور زونل مارشل لاء کے حکام کا اتحاد ابھر کر سامنے آگیا۔ قسط اول کے طور پر صنعتی تعلقات کے قومی کمیشن اسلام آباد میں یونین کے ۱۸ عہدیداروں اور سرگرم کارکنوں اور سندھ لیبر کورٹ نمبر ۷ میں سندھ سیمنٹ ورکرز یونین کے خلاف مقدمات داخل کئے گئے۔ جھوٹ بولنے میں بازی لگی۔ فیکٹری انتظامیہ نے رپورٹ دی کہ ایک سو ٹن سیمنٹ کی پیداوار

رپورٹ

******

فیض گھانگرو

پاکستان ورکرز فیڈریشن

******

کا نقصان ہوا تو محکمہ محنت نے جھوٹ کی بازی جیتنے کے لئے ہزار ٹن سیمنٹ کی پیداوار کے نقصان کی رپورٹ بنائی۔ پولیس محکمہ محنت اور دوسرے حکام کے مکمل تعاون کے ذریعے ہی مزدوروں میں دہشت پھیلانے کی مذموم کوششوں کو بروئے کار لایا گیا۔ بیسیوں مزدوروں کے خلاف جھوٹے مقدمات کا اندراج عمل میں لا کر ان کی گرفتاری کے لئے چھاپے لگائے جانے لگے۔

۳ر دسمبر ۱۹۷۸ء کو جب کہ مزدور روہڑی اسٹیشن پر صنعتی تعلقات کے کمیشن میں حاضری کی غرض سے لاہور روانگی کے لئے عوامی ایکسپریس میں سوار ہو رہے تھے۔ یونین کے جنرل سکریٹری مولا بخش اور نائب صدر اسرار خان کو اشتعال انگیزی کی خاطر انتہائی ڈرامائی انداز میں گرفتار کیا گیا اور اپنے اس اشتعال انگیزانہ ہتھکنڈے میں ناکامی پر پھر انہیں خود بخود چھوڑ بھی دیا گیا ۲۰ر دسمبر ۱۹۷۸ء کو جب کہ اپنی دوسری پیشی کے سلسلے میں یونین کے تقریباً تمام عہدیدار لاہور میں تھے یونین کے خازن مبارک حسین۔ اراکین مجلس عاملہ پیر بخش۔ اسکول ماسٹر ریاض مہدی اور محمد ہارون گرفتار کر لئے گئے اور دیگر اراکین مجلس عاملہ عطا محمد اور کرم اللہ بھٹو کی گرفتاری کے لئے امیر علی شاہ کی قیادت میں گھروں پر چھاپے لگائے گئے۔ نیز اہل خانہ کو پکڑ کر تھانے میں بند رکھا گیا مزدوروں کی استحقاقی چھٹیاں بند کر دی گئیں۔ گذشتہ دنوں جن مزدوروں نے نااہل اور بد دیانت افسران کی نشاندہی کی تھی ان پر چارج شیٹوں۔ دھمکیوں اور دھونس کی یلغار کی گئی۔ امیر علی شاہ نے اپنے انگریز آقا کے فلسفے لڑاؤ اور حکومت کرو کی بنیاد پر اپنی سرگرمیاں تیز کرتے ہوئے آس پاس کے گوٹھوں (گاؤں) میں وڈیروں اور جماعت اسلامی کے دفتر سے اپنے مفسدانہ گٹھ جوڑ کو از سر نو ترتیب دینا شروع کیا کہیں سید ہونے کا واسطہ تو کہیں سندھی ہونے کا ناطہ۔ گویا کہ فرقہ پرستی اور عصبیت کے ہتھیاروں کے بغیر جھوٹ کی یہ ناؤ تیر ہی نہیں سکتی تھی۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۸ء کے معاہدے کی شقوں کی کھلی خلاف ورزیاں کی گئیں۔ دو سو سے زائد ملازموں کی ترقیاں روک دی گئیں۔ وردیوں اور شوز کی فراہمی اور دیگر مسائل کے سلسلے میں مزدوروں کو اکسانے کی کوشش کی گئی کہ وہ یونین کے عہدیداروں سے ان مطالبات کو پورا کروائیں۔ مشینری اور فنی خرابیوں کو دور کرنے کے بجائے پیداوار میں کمی کی ذمہ داری مزدوروں پہ عائد کرنے کا ڈھونگ رچایا گیا۔ ان تمام منصوبہ بندیوں اور

سازشوں کے جلو میں ۱۹۷۸ء کا سورج غروب ہو گیا۔ اور ۱۹۷۹ء کے سورج کے ساتھ مارشل لاء ہیڈ کوارٹر خیرپور سے کارروائی شروع ہو گئی۔

مزدوروں کی طاقت کی جلوہ فرمائی تو کالونی۔ پہاڑوں منہ زور دریاؤں پر بندوں کی تعمیر اور کوہ پیکر مشینوں نیز سرسبز زمین پر لہلہاتے ہوئے سبزے میں موجود ہے۔ یہ طاقت آج ملک کی آمدنی کا سب سے بڑا مد بن چکی ہے۔ عجیب کہ اس "کام چور" "بددیانت" "نکمے" اور "غدار" مزدور کی محنت کو دساور میں بیچ کر اربوں روپیہ کمایا جا رہا ہے لیکن اس فیصلے کا تعلق اس طاقت کو دیکھنے سے نہ تھا۔ چنانچہ ۲ جنوری ۷۹ء کو تمام ضلعی اور دوسرے حکام پولیس اور رینجرز کی مشترکہ کمان میں سیمنٹ فیکٹری کو فتح کرنے پہنچ گئے۔ اسرار خان نائب صدر اور محمد بخش جوائنٹ سکریٹری کو گرفتار کر لیا گیا۔ امیر علی شاہ کی بن آئی اور اس نے پولیس اور رینجرز کی معیت میں کھاتوں میں گھس گھس کر یونین کے عہدیداروں اور سرگرم کارکنوں کو گرفتار کروانا شروع کیا۔ چنانچہ ورکشاپ سے باقر شاہ۔ دین محمد نواز غلام مصطفےٰ۔ کلن سے محمد علی، شفیع محمد اور ابراہیم جتا۔ کوادی سے خان محمد، شیر بہادر۔ اسٹور سے ظہیر شیخ۔ الیکٹرک سے شفیق احمد۔ سول سے کریم بخش اور محمد قاسم۔ پیکنگ سے لال بخش محمد بچل اور سروس سے قطب الدین کے علاوہ محمد انور ملر گرفتار کیے گئے۔

۳ جنوری کا روز نہتے محنت کشوں اور ان کے متعلقین کی جرأت اور حوصلے کا دن ہے جس نے پھر ایک بار یہ تاریخی سبق دیا کہ مزدور اپنی تخلیقی اعلیٰ صلاحیتوں کا تحفظ اور محنت و دانش کے تقدس کو اس وقت تک قائم نہیں رکھ سکتا جب تک کہ ریاستی مشنری کو مٹھی بھر لٹیروں کے ہاتھوں سے اپنے قبضے میں نہ لے لے۔ ۳ جنوری کی صبح سردی کی لہروں کے ساتھ مل کالونی کے ہر راستے پر عورتوں اور بچوں کے جلوس نکل آئے۔ آج ملتان کے شہیدوں کو خراج عقیدت اور ان کے راستے پر چلنے والے ۲ جنوری کی گرفتاریوں پر احتجاج کا دن تھا۔ مزدور کام کر کے گیٹ پر جمع ہو گئے۔ عورتوں اور بچوں کا جلوس گیٹ پر پہنچنا چاہتا تھا لیکن روہڑی سیمنٹ ورکس تو ۲ جنوری کو ختم کی جا چکی تھی۔ پولیس اور رینجرز کے ۱۴ ٹرک جلوسیوں کی خواہش کے راستے میں رکاوٹ تھے۔ فاتحین کے سرغنوں نے غلاموں کی بغاوت پر کچھ کھسر پھسر کی اور پھر "پولیس کا ہے فرض مدد آپ کی" کے ترانے کی دھن میں مسلح طاقت عورتوں اور بچوں پر ٹوٹ پڑی۔ مزدور باہر نکل آئے۔ کالونی کی سرزمین رنگین ہونے لگی۔ یونین کے مؤقف کے مطابق سینکڑوں عورتوں بچوں اور مزدوروں کے سر اور ہاتھ توڑے گئے۔ تقریباً ایک سو مزدوروں کو گرفتار کیا گیا۔ مستقبل کے ریکارڈ سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے ہسپتالوں کو ہدایت کی گئی کہ فیکٹری کے مزدوروں کی کوئی پرچی نہ بنائی جائے اور نہ انہیں باضابطہ اسپتال میں داخل کیا جائے اور پھر اس شان سے صدیوں پرانی غلاموں کی بغاوت کو کچل کر فاتحین نے "سب خیر" کا پریس نوٹ جاری کر دیا ✱✱

بلوچستان | کا | مسئلہ

غلط منصوبہ بندی سے بلوچ عوام کا اعتماد بحال نہیں ہو سکا

اصل تنازعہ خان قلات کو دھمکی دینے سے شروع ہوا!

عزت و وقار بلوچ

کی بہت بڑی کمزوری ہے

میر بابلاچ خان

"ذوالفقار" کے تازہ پرچے میں بلوچستان کے متعلق مضمون کا مطالعہ کیا۔ اس میں بلوچستان کے بارے میں مسائل کی نشاندہی کرنے کی سعی کی گئی ہے لیکن اس میں یہ تاثر ملتا ہے کہ بلوچستان کا مسئلہ ترقیاتی امور یا ملازمتوں کا ہے۔ جب کہ حقیقتِ حال اس سے کچھ مختلف ہے۔ ملازمتیں یا ترقیاتی امور مسئلے کا ایک حصہ تو کہے جا سکتے ہیں کُل ہرگز نہیں ہیں۔ بلوچستان کے بارے میں کچھ تحریر کرنے سے قبل اس کے پس منظر سے کسی حد تک آگاہ ہونا ضروری ہے۔

بلوچستان میں پہلی مرتبہ ۱۸۷۶ء میں انگریزی حکومت نے قدم رکھے۔ سر رابرٹ سنڈیمن نے جو اس وقت پنجاب کے ضلع ڈیرہ غازی خان کا پولیٹیکل ایجنٹ تھا۔ اپنی مخصوص سیاسی حکمت عملی کے ساتھ بلوچستان کے معاملات میں مداخلت کی اور خانِ قلات کی مدد سے جو بلوچستان کا رسمی سربراہ تھا کوئٹہ میں سفارت اور چھاؤنی قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا اس وقت اہل بلوچستان پر انگریزوں کو اعتماد نہ تھا اس لئے رابرٹ سنڈیمن اپنا دفتری عملہ و دیگر تمام اہلکار اپنے ساتھ پنجاب سے لے آیا حتیٰ کہ کوئٹہ کے نو آباد برطانوی شہر میں تجارت کی غرض سے بھی پنجاب سے لوگ آ گئے، ان میں ہندو سکھ اور مسلمان پنجابی سبھی شامل تھے ظاہر ہے کہ ان سب کا مسکن چونکہ پنجاب تھا اسی لئے ان کے تمام تر مفادات اور وابستگیاں پنجاب سے رہیں اور وہ بلوچستان کے لئے اجنبی رہے لیکن اس کا نفسیاتی اور سب سے بڑا پہلو یہ تھا کہ چونکہ ان افراد کی بلوچستان میں آمد انگریزوں کے ساتھ ہوئی تھی اور انگریز ایک غیر ملکی سامراجی حکومت کی حیثیت میں بلوچستان میں وارد ہوئے تھے اس لئے ان کی معیت اور ہمراہی میں آنے والے افراد کو بھی ان کا حصّہ سمجھا گیا اور مذکورہ دیسی آبادی کے مفادات بھی انگریز حکمرانوں کے ساتھ وابستہ تھے اسی لئے قیام پاکستان تک یہ افراد بلوچستان کا حصّہ بننے کی بجائے برٹش حکومت کا جزو بنے رہے اس طرح یہ یہاں کے معاشرے میں جذب نہ ہو سکے بلکہ ان کی پہچان ان کے اصل علاقے سے کی جاتی رہی۔

قیام پاکستان کے بعد سکھ اور ہندو کا سوال تقریباً ختم ہو گیا صرف پنجابی مسلمان یہاں رہ گیا یا پھر کچھ مہاجرین یہاں آ کر آباد ہو گئے اس مرحلے پر جبکہ مذہبی وحدت کی جذباتی فضا میں وسیع تر اتحاد و یگانگت کے اچھے مواقع موجود تھے ان سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا اور اجنبیت کا ماحول بدستور باقی رہا۔ اور آج تک انہوں نے بلوچوں کے دکھ سکھ میں خود کو شامل کرنے کی بجائے اپنے آپ کو لاہور اور اسلام آباد سے منسلک رکھا ہوا ہے یہی وہ نفسیاتی فضا ہے جس کو پیش نظر بلوچستان میں ملازمتوں کی حد تک مسئلے کو سمجھا جا سکتا ہے اور یہ المیہ ایک تلخ حقیقت کی صورت میں یہاں موجود ہے کہ بلوچستان کے صوبائی سیکریٹریٹ یا کسی بھی دیگر حکومتی ادارے میں جا کر قطعاً یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ بلوچستان کا ایک حصّہ ہے بلکہ وہاں داخل ہوتے

(باقی صفحہ ۵۶ پر)

ضرورت نہیں

جرأت دکھاؤ سارے ٹیپ پبلک کرو

خصوصی رپورٹ

مارشل لاء کے غیر منتخب تنخواہ دار وزیر محمود اعظم فاروقی آف جماعت اسلامی اپنے قبلۂ اوّل یعنی امریکہ میں پریس ترائی کر کے آتے ہیں کہ پاکستان میں آج جس قدر آزادیٔ اظہار دی گئی ہے وہ پہلے کبھی نہ دی گئی تھی اور پاکستان آتے ہی اس کا عملی ثبوت دینے کے لئے انہوں نے برِصغیر کے عظیم ترین انقلابی شاعر جناب جوش ملیح آبادی کو ریڈیو ٹی وی پر بلیک لسٹ کر دیا ہے۔ اور یوں آزادیٔ اظہار کے نام پر آزادیٔ اظہار کے جماعتی قتل کی وکالت میں جو خبر شائع کی ہے اس سے بھی جماعت اسلامی کا "نظام مصطفےٰ" ایک بار پھر بے نقاب ہوتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے جماعت اسلامی "نظام مصطفےٰ" "گو کل" نافذ کر رہی ہے۔

جسارت نے اپنی حالیہ اشاعت میں لکھا ہے کہ جوش ملیح آبادی نے یہ انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس انٹرویو کو میرے مرنے کے بعد نشر کیا جائے ورنہ میرے جیتے جی یہ نشر ہو گیا تو پاکستانی عوام مجھے جان سے مار دیں گے۔ جماعت اسلامی کے اخبار نے یہ خبر شائع کر کے جس جہالت کا مظاہرہ کیا ہے اس پر حیرت اس لئے ہوتی ہے کہ آج کل وزارت اطلاعات و نشریات کی دربانی جماعت ہی کے ایک رکن کو حاصل ہے۔ مگر یہ حیرت اس لئے نہیں ہونی چاہیئے کہ جماعت اسلامی کے وزراء کی جہالت کا وزارت بھی کچھ نہیں بگاڑ سکی۔

حقیقت یہ ہے کہ ریڈیو پاکستان کا ایک ذیلی شعبہ سنٹرل پروڈکشنز کے نام سے قائم ہے جس کا مرکزی دفتر راولپنڈی میں ہے جہاں ریڈیو پاکستان نے ایک "قومی صوتی لائبریری" قائم کر رکھی ہے۔ اس لائبریری میں دنیا کے تمام سربراہوں کی آوازوں کے علاوہ تمام ریڈیو سٹیشنوں کے منتخب پروگراموں کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ اس لائبریری میں پاکستان کے مختلف شعبہ ہائے حیات میں امتیازی مقام رکھنے والے اصحاب کے انٹرویو بھی محفوظ ہیں۔ ان انٹرویوز کا مقصد ہی یہ ہے کہ جب کوئی ممتاز شخصیت انتقال کر جائے تو اس کی موت پر ریڈیو پاکستان ایسا خصوصی پروگرام اس شخصیت کی اپنی ہی آواز میں نشر کر سکے اس طرح یہ پروگرام ریڈیو کا خصوصی یعنی EXCLUSIVE پروگرام کہلانے کا حقدار ہوتا ہے۔ ان شخصیات میں ولی خان کا انٹرویو بھی ہے۔ مولانا مودودی کا انٹرویو بھی ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ جوش صاحب نے درخواست کی تھی کہ چونکہ میرا انٹرویو انتہائی ناپسندیدہ ہو گا۔ اس لئے اسے میری موت کے بعد نشر کیا جائے انتہائی جہالت کی دلیل ہے۔

قارئین کی اطلاع کے لئے جماعت اسلامی کے آزادیٔ اظہار کے داعی وزیر نے یہ چھری اس لئے چلائی ہے کیونکہ عرصہ دراز سے جماعت اسلامی جوش صاحب سے انتقام لینا چاہتی تھی۔ جوش صاحب نے اپنی یادداشتوں کی کتاب "یادوں کی بارات" میں جماعت کے بانی مولانا مودودی کا کچا چٹھا کھولا ہے مودودی جوانی میں جوش کے دوست ہوا کرتے تھے۔ اور جوش صاحب کی "تفننِ طبع" کے لئے باعثِ تسکین ہوا کرتے تھے۔ اسی کتاب میں جوش صاحب نے مولانا مودودی کی "فطری کمزوریوں" کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ انکشافات تو اور بھی بہت سے ہیں جو آپ "یادوں کی بارات" کو پڑھ کر ہی جان سکتے ہیں: تاہم کل کے نوجوان اور "فطری کمزوریوں" والے مودودی آج حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بنا دیئے گئے ہیں۔ اس لئے ان کا کچا چٹھا کھولنے والے کو جماعت اسلامی کیسے برداشت کر سکتی تھی چنانچہ عوام سے غداری کر کے مارشل لائی وزارتیں حاصل کرتے ہی جوش صاحب کو اظہارِ حقیقت کی سزا دی گئی ہے اگر جوش صاحب نے "یادوں کی بارات" میں یہ سب کچھ نہ لکھا ہوتا تو آج جماعت اسلامی نہ صرف ان کا یہ انٹرویو نشر کرتی بلکہ جوش صاحب کو کوئی اعلیٰ رتبہ بھی دیتی دلچسپ بات یہ ہے کہ غیر جانبدار مارشل لا انتظامیہ نے جوش صاحب کے گلے پر چھری چلانے کی اجازت تو دے دی ہے مگر خود مودودی کو بلیک لسٹ نہیں کیا۔ حالانکہ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد قائداعظم اور تحریک پاکستان کے چھپورے دشمن مودودی کا ایک طویل انٹرویو لاہور ریڈیو سے نشر ہوا ہے' جسے پروڈیوسر ناصر قریشی نے ریکارڈ کیا ہے۔ جس میں آنحضرت رسولِ اکرم کی شان میں گستاخی کی گئی ہے اس انٹرویو کے نشر ہونے کے بعد پاکستان کے متعدد علماء نے آنحضرت کی شان میں گستاخی پر مودودی کے خلاف مذمتی بیانات بھی جاری کئے تھے اور جمعیت علمائے پاکستان کے ترجمان ہفت روزہ "افق" نے اس پر احتجاج کرتے ہوئے ایک مودودی نمبر شائع کیا ہے جس میں تقریباً تمام جیّد علماء کے وہ فتوے بھی شائع کئے گئے ہیں جو ریڈیو پاکستان سے مودودی کے انٹرویو کے خلاف جاری کئے گئے ہیں۔ جوش صاحب کو بلیک لسٹ کرنے والے اور آنحضرت کی شان میں گستاخی کرنے والے اپنے گریبان میں تو جھانک لیتے۔ اس لئے ہم غیر جانبداری اور اسلامی نظام کے نفاذ کی دعویدار مارشل لا انتظامیہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جوش صاحب کو ذاتی انتقام کا نشانہ بننے سے بچایا جائے۔

**

• قومی اور بین الاقوامی سیاست

• معاشیات • سائنس

• ثقافت، ادب اور فن

پر ترقی پسندانہ فکر و عمل کی وضاحت

سائنسی نظریات کی ترویج و اشاعت اور جمہوری اقدار

کے فروغ کیلئے

مظلوم عوام کی امنگوں کا ترجمان صحافت میں منفرد انداز کے ساتھ

یکم جنوری ۱۹۷۹ء سے

پندرہ روزہ

پرچم

ادارتی پتہ: اے ۱۱۳ بلاک ڈی نارتھ ناظم آباد۔ کراچی

حیدرآباد

مختار عاقل

بڑے ٹھیکے مل گئے، اجتماعی قبریں بن رہی ہیں

حیدرآباد کے طلبہ پر رحم کھاؤ

کب تک انتظار کریں گے!

حیدرآباد کے سیاسی حلقے اس حقیقت سے واقف ہیں کہ جماعت اسلامی کے میاں شوکت انڈے بیچتے بیچتے جب سیاست میں گندے انڈے "بیچنے" کی طرف مائل ہوئے تو لطیف آباد کے علاقے میں سب سے قدآور مخالف شخصیت مسلم لیگ کے بزرگ کارکن حکیم شاہد علی کی تھی چنانچہ اس دور میں یونٹ نمبر ۷ کی عیدگاہ میں جب نماز کی امامت کے لئے حکیم صاحب کا نام آیا تو مخالفین کی فہرست میں اکلوتی جماعت ہی تھی کہ مبادا عیدین کی امامت سے محروم رہ جانے کے بعد اس کے مستقبل کا لیڈر لیتہ قد نہ رہ جاتے حالانکہ حکیم شاہد کا یہ کردار ہے کہ لیگی روایات کے مطابق پارٹیاں بدلنے کی بجائے ایک ہی ڈگر پر مستقل مزاجی سے چلتے رہے ہیں جب کہ جماعت کا یہ صوبائی سکریٹری انڈے بیچتے بیچتے اچانک ٹوٹا۔ کردلا میں گھومنے لگا ہے۔ ہمارے نزدیک انڈے بیچنا بُری بات نہیں، مگر ضمیر بیچنا بہت بری بات ہے۔ کیونکہ جب انسان کا ضمیر بکتا ہے تو پھر نیکی اور بدی، خیر و شر اور اور اچھے، بُرے کی تمیز باقی نہیں رہتی ہے۔ برائی کا جہنّم جب دھکنے لگتا ہے تو پاس کھڑے انسانوں کو بھی اپنی آتشیں تپش سے جھلسا دیتا ہے۔ اس حقیقت کی مثال میاں صاحب کا پرائیویٹ سکریٹری فیروز ہے۔ جس نے گزشتہ دنوں مجاہد کالونی یونٹ نمبر ۱۲ کی ایک سترہ سالہ دوشیزہ پروین کو اغوا کر لیا تھا۔ "اصلاح معاشرہ تحریک" کے شکار والدین نے جب تھانے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اے ایس۔ آئی نے منگل کی رات ڈھائی بجے اغوا کنندہ کے گھر پر چھاپہ مار کر فیروز اور اس کے بھائی دلشاد کو تھانے میں لا بٹھایا۔ دوسرے دن صبح جب میاں صاحب کو اپنے چہیتوں کی گرفتاری کا علم ہوا تو سخت برافروختہ ہوئے اور تھانیدار کو سخت سست کہہ کر مظلوم والدین کی رپورٹ ضائع کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے "صالحین" کو چھڑا کر لے گئے۔ تھانیدار نے بھی مردانیا "احکامات" کی بجا آوری کی اور سرکار دربار میں" پگڑی اور گھٹری" سلامت رکھی۔ اس سرکاری پشت پناہی کو "تائیدِ الٰہی" سمجھتے ہوئے جماعت کے سکریٹری کا یہ سکریٹری اب ٹنڈو آدم کے چکر کاٹ رہا ہے، جہاں مظلوم والدین نے عزت اور جماعت کے خوف سے بیٹی کو منتقل کر دیا تھا۔ اس قسم کے کاموں کو ذرا منظم پیمانے پر انجام دینے کے لئے رجعت پسندوں کے اس ٹولے نے شہر کے نو عدد علاقوں میں باضابطہ تھانیداروں کا تقرر کیا ہے جو پیشہ ور اُچکوں کی صورت میں اپنے اپنے علاقوں میں "وارداتیں" کر سکیں گے۔

اسی گروہ کے دورِ اقتدار میں انسانوں کے ساتھ ساتھ بیچاری مرغیوں کو بھی اناج کی کمیابی کی شکایت ہو گئی ہے۔ ان کے چارے کی قیمتیں حیدرآباد پولٹری فارمرز ایسوسی ایشن سے براہ راست گفتگو کرنے لگی ہیں چنانچہ بیچاری ایسوسی ایشن نے گرمیٔ گرانی کی تاب نہ لاتے ہوئے شکایت کی ہے کہ قیمتوں میں اضافے کو اگر فوری طور پر نہ روکا گیا تو حشر کے میدان میں حکمرانوں کا گریبان اور مرغیوں کی چونچیں ہوں گی۔

ادھر بے چاری مساوات پارٹی جسے حیدرآباد میں کوئی "رشتہ" نہیں ملتا، صحرا کے اونٹ کی طرح گردن اٹھائے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حیدرآبادیوں کی بے رخی کا ماتم کر رہی ہے اور غریب الدیار الیاس شاکر کو یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ جب" حنیف رامے حیدرآباد آئیں گے تو کیا منہ دکھائیں گے؟" اس سوال کا تسلی بخش جواب حاصل کرنے کے لئے موصوف سیاست کے بحرِ ذخار میں غوطہ زن ہو کر مختلف لوگوں پر رسّے ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک اطلاع کے مطابق تحریکِ استقلال کے روٹھے ہوئے رہنما معراج قریشی حیدرآباد میں مساوات پارٹی کو کندھا فراہم کرنے کے لئے رضامند ہو گئے ہیں۔ قریشی کا تعلق این۔ کے۔ جتوئی گروپ سے تھا اور اب جب کہ گروجی ہی سدھار گئے تو چیلوں کا تتر بتر ہونا یقینی امر ہے۔ چنانچہ یہی انتشار شاید رامے کا معاون بن جائے۔ البتہ تحریک کے سکریٹری اطلاعات ساغر دہلوی بدستور اپنے دھندے میں مصروف ہیں۔ سارے دن جنرل پوسٹ آفس میں بیٹھ کر عرضیاں گھسیٹتے ہیں اور کبھی کبھی ملک سے زیادہ غیر ملکی کو الف پر مبنی ایک آدھ بیان گھسیٹ کر نذرِ اخبارات کر دیتے ہیں کہ احباب کو اُن کی موجودگی کا احساس رہے۔

میر علی احمد تالپور ان دنوں تاوانِ وزارت ادا کرنے کے چکر میں ہیں۔ سندھ کے مختلف علاقوں سے

سابقہ حکومت کے دور میں اجتماعی قبروں کا جو شوشہ موصوف نے چھوڑا تھا، اب سرکاری ہدایات کے مطابق اس کی برآمدی کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اس کام میں ان کا معاون شہر کا مشہور منشیات فروش بھی ہے۔ اس سے قبل شخص مذکور کا نام اس وقت اخبارات کی زینت بنا تھا جب ۱۹۷۷ء میں اس کی قیام گاہ سے متصل مسجد میں پولیس مقابلے کے نتیجے میں چند افراد ہلاک ہو گئے تھے، جنہیں بعد میں میر برادران کے مشورے سے کالی موری سے لے کر ٹنڈو فقیر تک کے درمیانی علاقے میں کسی جگہ اجتماعی طور پر دفن کر دیا گیا تھا اور میر برادران اپنے اسی کارنامے پر سرکار سے آشیر باد حاصل کرنے کے چکر میں ہیں۔

قارئین کے لئے یہ بات یقیناً باعثِ حیرت ہوگی کہ دونوں میروں کے شہر کے اس بدنام شخص سے نہ صرف یہ کہ خالص "ذاتی نوعیت" کے تعلقات ہیں بلکہ میر رسول بخش تو ٹھنڈے یا گرم مشروب سے لطف اندوز ہونے کے لئے عموماً اسی کے اڈے کو اعزاز بخشتے ہیں۔ اسی طرح وزارت ملنے کے بعد میر علی احمد جب حیدر آباد آئے تو اسی اڈے کو شرفِ میزبانی بخشا اور بعض اطلاعات کے مطابق مذکورہ شخص کو، جو لامحدود حد تک گورنمنٹ کنٹریکٹر بھی ہے، چند ایک بڑے ٹھیکوں سے بھی نوازا۔ چنانچہ "اجتماعی قبروں" والے ڈرامے میں اس مرکزی کردار کا جائزہ لیا جائے تو پھر تعلقات کی تہہ پر قائم حیرت ختم ہو جاتی ہے۔ اور اجتماعی قبروں کا سبجکٹ بھی واضح ہو جاتا ہے۔

پاکستان کے مشہور صنعت کار اور راجپوتانہ ہسپتال کے بانی سیٹھ ولی بھائی اکبر جی گذشتہ دنوں انتقال کر گئے اور ناعاقبت اندیشوں کے لئے ایک نشانِ راہ چھوڑ گئے کہ بے تحاشہ دولت اور مزدوروں کے استحصال سے حاصل شدہ کمائی کے بل پر موت کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ میر رسول بخش کو کار نذر کر کے کارخانہ تو بچایا جا سکتا ہے مگر دنیا بھر کی دولت دے کر بھی موت سے دامن نہیں بچایا جا سکتا۔ تاریخ کا بے رحم پہیہ کسی کو کبھی نہیں بخشتا، تیزی سے کچلتا ہوا چلا جاتا ہے۔ اوناسس دنیا کا کھرب پتی انسان تھا، سکندر کی رفعت اور وسعت کے آگے آسمان شرماتا تھا اور ہیبت ناکی میں چنگیز اور ہٹلر کا ثانی نہیں ملتا، مگر جب ان سب لوگوں کو موت نے گھیرا تو کوئی بھی اس قابل نہ تھا جو مال و زر اور مرتبہ اپنے ساتھ لے جاتا۔ دورِ جدید کے فرعونوں کے لئے تاریخ کے صفحات عبرت کا عمدہ تازیانہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

آخر میں حیدر آباد کے طلبہ کا ذکر کہ بے چارے ان دنوں بڑی بے تابی سے انٹرمیڈیٹ کے نتائج کا انتظار کر رہے ہیں اور ہر چند کہ امتحانات ہوئے تین ماہ کا عرصہ بیت چکا ہے۔ مگر حسبِ روایت حیدر آباد بورڈ کے عملہ اور حکام کی تساہلی اور غفلت نتائج اور طلبہ کے درمیان دیوارِ چین بنی ہوئی ہے جب کہ کراچی بورڈ کا نتیجہ ظاہر ہوئے ایک مدت بیت چکی ہے اور طلبہ انجینئرنگ اور میڈیکل یالجیوں کے انتظار میں بال سفید کر رہے ہیں۔ اس ملی جلی صورتحال نے تعلیمی شعبہ میں بحران پیدا کر رکھا ہے۔ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن حیدر آباد کے کنوینر توحید خان، سکریٹری نوشاد حیدر بیگ اور نعیم الغنی نے مطالبہ کیا ہے کہ انتظار کی بیزار کن صورتِ حال کا خاتمہ کر کے نتائج کا فوری طور پر اعلان کیا جائے اور میڈیکل و انجینئرنگ کی داخلہ پالیسیوں میں تمام فرسٹ ڈویژن طلباء کے داخلہ کا خیال رکھا جائے۔

* سحر گل خٹک

ایک طرف قائدین ہی قائدین
دوسری طرف قائدین کے خلاف شدید ردِ عمل

محترم جناب مدیر ہفت روزہ ذوالفقار

تسلیمات!

نوازش کہ آپ نے مجھ جیسے ایک گمنام قاری کے مضامین کو شرفِ اشاعت بخشا۔ اس بار میں نے ایک جائزہ عوامی جمہوری اتحاد اور پاکستان عوامی تحریک کے بارے میں پیش کیا ہے۔ اس سے مقصود قطعاً دلآزاری نہیں۔ بلکہ یہ وہ خیالات ہیں جو اکثر و بیشتر ہم اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے درمیان زیرِ بحث لاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے میں اور میرے ساتھی شاید غلطی پر ہوں لیکن جن باتوں کا تفصیلاً یا اجمالاً ذکر ہوا ہے وہ بہر طور قابلِ غور ہیں اور اس بارے میں ہمیشہ ہمارے قائدین کا رویہ تذبذب اور شکوک پر مبنی رہا ہے۔ اور مجھے فخر ہے کہ میں ایک ایسے پرچے کا بہت پرانا قاری ہوں جس نے بائیں بازو کی تحریکات کے بارے میں ہمیشہ صحت مند اور سائنٹیفک رویہ رکھا اور ہمیشہ ایسے مسائل پر عام دعوتِ فکر دی۔

آپ کا

سحر گل خٹک۔ پشاور

یہ میدان پاکستان

پیپلز پارٹی کے ہاتھ ہی رہے گا

پاکستانی معاشرے سے سیاسی بحرانات کے پے درپے موڑ پر جو ۹۰ دن کے آپریشن فیئر پلے سے شروع ہو کر غیر منتخب مرکزی اقلیتی گروہ کے دنداں کے حکومتوں اور اب بغیر ستونوں کے صوبائی حکومتوں کی چھت کی تعمیر پر صرف ہو رہی ہے۔ ان اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے قومی اتحاد سے الگ ہونے والی جماعتیں اپنا تشخص بحال کرنے میں مصروف ہیں۔ وہاں قومی اتحاد کے مردہ لاشے پر مفتی صاحب کی نوحہ خوانی حالات کی ستم ظریفی نہیں بلکہ منطقی نتیجہ ہے۔ ہاں ایک

قابلِ غور بات ہے کہ این ڈی پی کے سرحدی گاندھی منقابرِ زیرِ بیم کے زندہ مثال بنے ہوتے ہیں تو دوسری طرف قومیتوں کے شجرِ ممنوعہ کے بارے میں بزنجو صاحب کا دوٹوک رویہ بڑے بڑے جغادری "انقلابیوں" کے لئے باعثِ حیرت بنا ہوا ہے۔ جہاں بزنجو صاحب کی نظری گھن گرج نے این ڈی پی میں دراڑیں پیدا کردی ہیں اور مرکزی کمیٹی کے مباحث کھلے عام صوبائی، ڈسٹرکٹ اور تحصیل کی سطح ہونے پر لگے ہیں۔ وہیں عوامی جمہوری اتحاد کے نام سے متحد ہونے والے ترقی پسندوں کو بھی دو لخت کردیا ہے اور پاکستان عوامی تحریک کے نام سے قومیتوں کے مسئلے پر زیادہ واضح اتحادِ عمل میں آیا اور عوامی جمہوری اتحاد والوں نے وہی پرانی گالی دوہرائی۔

"وہ دقائق کو نہیں مانتے"۔

اور تحریک والوں نے کہا "وہ قومیتوں کے مسئلے پر صاف نہیں"۔ یہ فکری اور نظری تضاد اور اس کے نتیجے میں بائیں بازو کے ایک ہی سمت میں بہنے والے دو مختلف دھارے کسی آنے والے مارشل لاء کے "معروضی دباؤ" کے تحت دوبارہ متحد ہونے کے امکان کو ہم نظر انداز نہیں کرسکتے۔ مگر پھر بھی ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عوامی جمہوری اتحاد کے "عظیم انقلابی رہنماؤں" نے ابتدا ہی میں اس امکان کو کیوں نظر انداز کردیا کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے ساتھ اتحاد نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں اس کے بارے میں اخباری بیانات جاری کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی۔ اور بنیادی تضاد (ایک لحاظ سے) ریاستی مشینری کی بجائے پیپلز پارٹی اور جناب بھٹو کے ساتھ ہی کیوں رکھا گیا۔

شاید ہم "سنٹرل کمیٹیوں" کی اعلیٰ فراست اور سوجھ بوجھ تک نہ پہنچ پائیں۔ چلئے پیپلز پارٹی پنجاب کے چودھریوں اور سندھ کے وڈیروں کے ہاتھوں معتوب ٹھہری۔ لیکن یہ سرخ پرچم محاذ، سندھی ہاری کمیٹی مزدور کسان پختونخواہ مزدور کسان ورکرز گروپ، نوجوان محاذ اور پھر قومی محاذ آزادی کو کس جرم کی پاداش میں الگ تھلگ رکھا گیا۔ اور کن وجوہ کی بنا پر ایسے لوگوں کو مسلط کیا گیا جن کی سیاست اپنے گھر کی ڈیوڑھی تک محدود رہ گئی ہے۔ ان کے مقابلے میں فعال کارکنوں کی تنظیموں کو دانستہ طور پر نظر انداز کردیا گیا (نظریاتی جھگڑا لبعد کی پیداوار ہے)

پنجاب میں امتیاز عالم اور میجر اسحاق کے اختلافات اپنی جگہ پر مگران دونوں کے سوا پنجاب کی مزدور کسان پارٹی باقی کہاں رہ جاتی ہے۔ اسی طرح سرحد میں شیر علی باچہ اور ستار لالہ کے بغیر مزدور کسان پارٹی کا نام نامکمل رہ جاتا ہے۔ بنگش صاحب کب کے بالاخانہ کو خیرباد کہہ کر چارسدہ کے خوانین کے طرز پر حجرہ دربار چلا رہے ہیں۔ اندرونِ سندھ رسول بخش پلیجو کسانوں کے صحیح رہنما ٹھہرتے ہیں اور جام ساقی تو عمل کی بنا پر ہی آج مارشل لاء کے ضابطوں کے اسیر ہیں۔ اسی طرح معراج محمد خان کی شخصیت بلاشبہ عوامی جمہوری اتحاد کے لئے ایک زبردست محرک ثابت ہوتی، جس کے زیرِ اثر وہ عوامی جمہوری اتحاد کو ایک یونائیٹڈ فرنٹ کے طور پر یقیناً موثر انداز سے چلاتے۔ اور ایک وسیع تر متحدہ محاذ کی بنیاد بھی بناتے مگر ہمارے "انقلابی دانشوروں" کی بانجھ سوچ وقت کی نزاکت اور اہمیت کی بجائے تمام تر زور اس امر پر صرف کررہی ہے کہ بائیں بازو سے منسلک وہ شخصیتیں جو غلط اور منفی طرزِ عمل کی بنا پر رفتہ رفتہ عوام سے کٹتی جارہی ہیں۔ ان کو کیسے سہارا دیا جائے۔ اور کیونکر انہیں عوام پر مسلط رکھا جائے۔ اس ضمن میں این پی پی موردِ الزام نہیں ٹھہرتی کیونکہ وہ خود ان پیرِ تسمہ پا کا شکار ہوئی ہے۔ جن سے رہائی کا حوصلہ شاید ابھی این پی پی والے نہیں پا رہے۔

عوامی جمہوری اتحاد وجود میں آنے کے بعد بھی جس بے عملی اور بے حسی کی شکار ہے (حالانکہ اس پُرآشوب دور میں ولی خان جیسے پردہ نشین رہنما بھی خاموش نہ رہ سکے ملاحظہ ہو ان کے حالیہ چند بیانات بسلسلہ انتخابات اور مسلم لیگ کے) وہ حیرت اور افسوس دونوں کے مستحق ہیں۔

عوامی جمہوری اتحاد کے مقابلے میں پاکستان عوامی تحریک کا انکشاف اخباری بیانات سے ہوا۔ اس سے یوں لگا جیسے ایک طرف قائدین ہی قائدین ہیں جب کہ دوسری طرف قائدین کے خلاف ایک شدید ردِ عمل کی تحریک، پھر بھی رسول بخش پلیجو کی شخصیت ان تمام قائدین پر حاوی لگتی ہے جو عوامی جمہوری اتحاد کے مرکزی بینر کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ عوامی جمہوری تحریکوں میں آدمی نام سے نہیں کام سے جانا جاتا ہے اور صحافیوں کی موجودہ تحریک میں سندھی ہاری کمیٹی، سندھی شاگرد کمیٹی، نوجوان محاذ اور بالخصوص وہ تمام مزدور، کسان اور طلباء تنظیمیں جنہوں نے قائدِ آزادی صمانت جناب منہاج برنا کی قیادت میں جنگِ آزادی لڑی اور آج بھی عوام کے درمیان ظلم و استحصال کے خلاف صف آرا ہیں۔ کیا اُن گنے چنے دانشوروں پر حاوی نہیں جن کی نظریں نئے کعبوں کی متلاشی ہیں۔

بہرطور ہم اس رجحان کے بھی مخالف ہیں کہ دو الگ الگ متحدہ محاذ ہوں۔ جب تک متحد ہوکر ہمارے رہنما ایک مٹھی نہیں ہوجاتے۔ قیادتی جھگڑے ایک طرف رکھتے ہوئے اور فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر صحیح معنوں میں عوام کے طبقات پر مشتمل متحدہ محاذ کی تشکیل نہیں کرپاتے۔ یہ میدان پاکستان پیپلز پارٹی کے ہاتھ ہی رہے گا۔ اور عوام بدستور قائدِ عوام ذوالفقار علی بھٹو کو ہی سمجھیں گے۔ اس لئے کہ آج بھی وہ پھانسی کی کوٹھری میں ایک بہت بڑا وڈیرہ ہو کر بھی غریب اور مظلوم ہاری کی بات کررہا ہے۔ میرے انقلابی دانشور ساتھیو تمہارا بزعمِ خود انقلابی ساتھی علی احمد تالپور آج کہاں کھڑا ہے۔ اور بھٹو کس مقام پر ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب یہی معتوب بھٹو تم سب کے لئے آیت اللہ خمینی ثابت ہوگا۔ پھر اُس وقت تم اپنی ساری کتابیں فلسفے اور نظریے سمیٹ کر اسی طرف دوڑو گے جس طرف سے اُس کی پکار اُٹھے گی۔

***

ناصر زیدی کی شخصیت کے ۵۱ عکس

"ڈوبتے چاند کا منظر"

مجموعۂ غزل

پہلے سال ہی دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کے بعد

اب

ناصر زیدی کا نیا مجموعہ کلام بھی

"وصال"

کے نام سے شائع ہوگیا ہے

براہ راست لکھئے:

ایڈیٹر: ادب لطیف، ۱۵ سرکلر روڈ لاہور ۳

این ۔ ایس ۔ ایف ـــ خانیوال

یہ چند سامراجی دلالوں کا کارنامہ ہے

نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان کی خانیوال کالج یونٹ کا سالانہ اجلاس یونٹ کے آرگنائزر جناب محمد صادق سعید کی زیرِ صدارت منعقد ہوا ۔ مہمان خصوصی این ایس ایف کی مرکزی کمیٹی کے رکن جناب محمد یوسف شیخ تھے ۔ اجلاس سے کالج اسٹوڈنٹس یونین کے جنرل سیکریٹری راؤ خالد محمود، کونسلرز جاوید احمد، قمر رضا شاہ، تجمل حسین اور عبدالغفور نے خطاب کیا اور یونٹ کے نئے عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا جو حسب ذیل ہیں ۔

صدر راؤ خالد محمود، سینئر نائب صدر قمر رضا شاہ، جونیئر نائب صدر نوید بٹ، جنرل سیکریٹری جاوید احمد، سینئر جوائنٹ سیکریٹری تجمل حسین، جونیئر جوائنٹ سیکریٹری رانا محسن علی اور سیکریٹری نشر و اشاعت ناصر عباس گردیزی، بارہ رکنی مجلس عمل کے لئے ان ناموں کا اعلان کیا گیا ۔ غلام مصطفےٰ، قدیر بھٹی، سلیم جاوید، رانا خلیل، مسعود گل، عبدالحمید، محمد یوسف، مقبول احمد، رانا فیاض محمد اقبال، منور احمد اور محمد ریاض ۔

مقررین نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے این ایس ایف کو مزید فعال اور مضبوط بنانے کا عزم کیا ۔ راؤ خالد محمود نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ تعلیمی اداروں میں جماعت اسلامی کی بغل بچہ تنظیم اسلامی جمعیت طلباء کی کھلے بندوں غنڈہ گردی طالب علموں کے لئے اب ناقابل برداشت ہو گئی ہے لہٰذا جمعیتی غنڈوں کو چاہیئے کہ وہ ان حرکتوں سے باز آ جائیں ورنہ ترقی پسند طلبا جنہیں واضح اکثریت حاصل ہے، منہ توڑ جواب دینے پر مجبور ہو جائیں گے اور نتائج کی ذمہ داری جمعیت اور حکومت پر ہو گی ۔

مہمان خصوصی جناب محمد یوسف شیخ نے کہا کہ ایک غیر سیاسی اور غیر منتخب حکومت کی وجہ سے توسیع پسند بھارت، پاکستان کو کشمیر کے مسئلے سے دستبردار ہونے کی دھمکی دے رہا ہے انہوں نے کہا کہ پاکستان چند سامراجی دلالوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا ہے جو اپنے آقا کے اشارے کے مطابق اسے چلا رہے ہیں انہیں پاکستان اور اس کے عوام سے کوئی محبت نہیں ہے ۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کی بقا صرف اور صرف عوامی جمہوری انقلاب میں ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ ہمیں اپنے دوستوں اور دشمنوں میں پہچان کرنا ہے ۔ ملک کے محنت کش عوام اپنی نجات صرف مزدور کسان راج ہی میں سمجھتے ہیں ۔

آخر میں جناب محمد صادق سعید نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ اکتیس سال گزرنے کے باوجود ہمارے ملک میں برطانوی طرز کا نظام تعلیم رائج ہے جو واضح طور پر طبقاتی بنیادوں پر ہے ۔ انہوں نے موجودہ حکومت کی نام نہاد تعلیمی پالیسیوں کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ پالیسیاں نہ ملک سے بیروزگاری کو ختم کر سکتی ہیں نہ ان کے ذریعے تعلیم جیسے بنیادی حق کا حصول عوام کے لئے ممکن ہے ۔

اجلاس میں منظور کردہ قراردادوں میں مطالبہ کیا گیا کہ ملک سے پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس جیسے تمام کالے قوانین منسوخ کر دیئے جائیں اور صحافت کو آزاد کیا جائے ۔ ہفت روزہ الفتح کراچی اور معیار سمیت تمام جرائد اور اخبارات کے ڈیکلریشن بحال کئے جائیں، تمام گرفتار شدہ سیاسی کارکنوں، صحافیوں، طلباء اور مزدوروں کو رہا کیا جائے ۔ این ایس ایف کے سیکریٹری نشر و اشاعت دفاص بٹ، مرکزی جوائنٹ سیکریٹری راجہ اظہر حسین، ہفت روزہ "ڈیولپمنٹ" کے ایڈیٹر مظہر علی خان، ممتاز صحافی حسین نقی اور ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی کے مرکزی جنرل سیکریٹری عزیز الحسن کو فوری طور پر رہا کیا جائے ۔ تعلیمی اداروں میں سرکاری مداخلت بند کی جائے ۔ اساتذہ کے جبری اور انتقامی تبادلے منسوخ کئے جائیں، تعلیمی اداروں میں خالی آسامیوں کو معقول طریقے سے پُر کیا جائے ۔ اور گورنمنٹ اسلامیہ ڈگری کالج خانیوال کے لئے منظور شدہ گرانٹ جلد از جلد فراہم کی جائے ۔

بقیہ : اسلام آباد

مسٹر بھٹو نے رجعت پسندوں اور موقع پرستوں کے نرغے میں گھر کر پھر ولی خان پر یلغار کی اور ان کی شخصیت تباہ کرنے کے لئے سارا زور اپنا بھی اور خان عبدالقیوم خان کا بھی صرف کر دیا تھا ۔ اس طرح اب پھر وہی واقعات رونما ہونے والے ہیں خان قیوم کی حکومت میں شمولیت کے بعد جلد ہی جنرل ضیاء الحق پر انکشاف ہو جائے گا کہ خان عبدالولی خان غدار ہیں اس کے بعد سارا زور جنرل صاحب کا بھی اور قیوم خان کا بھی ولی خان کی شخصیت تباہ کرنے اور سرحد بلوچستان میں غیر فطری طور پر ایک متوازی سیاسی جماعت بنانے پر صرف ہونے لگے گا ۔ جنرل ضیاء الحق کی کابینہ میں وزارت داخلہ قیوم خان کو ملے گی ۔ جنرل صاحب نے مسٹر محمود ہارون کی اس صاف گوئی کو پسند نہیں کیا ہے کہ اس ملک میں اب انتخابات نہیں ہوں گے ۔ اس کے باوجود اگر مسٹر محمود ہارون نے سیاستدانوں کی طرح جنرل ضیاء الحق کو خوش کیا ہے کہ میں صدر کے اس اعلان کو کہ ۱۹۷۹ء انتخابات کا سال ہے ویٹو نہیں کر سکتا ۔ یہ بات جنرل صاحب کو ہضم نہیں ہوئی مسٹر محمود ہارون نے ٹی وی کی پریس کانفرنس میں ذوالفقار میں چھپنے والے مضمون کی براہ راست سوال پر تردید نہیں کی ۔ جنرل ضیاء الحق صاحب نے پہلے خود اور اب خان قیوم کے کہنے پر یہ وزارت کسی سیاستدان کو دینے کا فیصلہ کیا ہے محمود ہارون کو جنرل صاحب سیاستدان نہیں سمجھتے اگر ایسا سمجھتے تو سیاسی جماعت کے کوٹے میں انہیں وزارت دیتے ۔ خان قیوم کو وزارت داخلہ اس لئے پسند ہے کہ ان کا شوق وزیر داخلہ سے ہی پورا ہو سکتا ہے جنرل ضیاء الحق صاحب بھی خان صاحب سے ہوشیار رہیں کہ مسٹر بھٹو جیسا ماہر سیاستدان خان قیوم کے ہاتھوں سے اس طرح مارا گیا ہے کہ فیڈرل سکیورٹی فورس کا خالق خان قیوم کو ہونے کے باوجود اس کی تمام تر برائیاں مسٹر بھٹو کے کھاتے میں آج بھی مسلسل درج کی جا رہی ہیں ۔

جمعیت علمائے پاکستان کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی کا جلسہ جماعت اسلامی اور جمعیت علماء کے کارکنوں نے الٹ کر رکھ دیا ہے یہ حقیقت اخبارات میں چھپ چکی ہے ۔ ذوالفقار علی بھٹو بڑا ظالم جابر تھا ۔ اپنے مخالفین کی بات سننا پسند نہیں کرتا تھا اور مخالف سیاستدانوں کے جلسے الٹوا دیا کرتا تھا ۔ موجودہ حکمران اور خصوصاً جماعت اسلامی بڑی رحمدل ہے ۔ وہ اپنے مخالفین کی بات نہیں سننا چاہتے وہ بھی انہی روایات پر چل رہے ہیں جو انہی کے بقول ایک ظالم جابر اور نہ جانے کیا کیا شخص نے قائم کی ہیں ۔ لوگو یہ بات نہیں ہے جماعت اسلامی جھوٹ کھُل کر اور اتنا بولتی ہے کہ اس پر سچ کا گمان ہونے لگتا ہے ۔ یہ ساری توجیہات جماعت اسلامی کی ہیں جبکہ یو پی کا جلسہ نمونہ کے طور پر الٹا گیا ہے کہ اگر آئندہ کسی نے کوئی گستاخی پیر مودودی کی یا موجودہ حکومت کی شان میں کی تو اس سے زیادہ سختی سے نمٹا جائے گا ۔ جماعت اسلامی کی لٹھ بردار فورس طاقت اور اقتدار کو سامنے دیکھ کر فورا ہی بن جاتی ہے ۔ راولپنڈی میں ۱۹۶۹ء میں ایوب خان کے خلاف تحریک میں جماعت کی لٹھ بردار فورس اقتدار کو قریب دیکھ کر بن گئی تھی کہ وہاں بھی ایسے ہی چور دروازے سے اندر گھسنے کا اہتمام ہو گیا تھا پھر مشرقی پاکستان میں جب جنرل یحییٰ خان نے جماعت اسلامی کو اقتدار میں شریک کیا تو البدر اور الشمس بنا دی گئیں ۔ اسلام کی آڑ لے کر ہزاروں افراد کو جس طرح ذبح کر دیا گیا اور جو مظالم ڈھائے گئے وہ اب تاریخ کا حصہ ہیں اب یہاں تو جماعت اسلامی باقاعدہ اقتدار میں ہے اور اس مثل پر یقین رکھتی ہے سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا ۔

نسا ٹریڈرز

nisa traders

Reprints

BALUCHISTAN THROUGH THE AGES

(Salection from Government Record)—(2 Volumes)—Rupees 450.00—A compilation from over a dozen of Distt. Gazetteers.

Vol. I—"Geography and History" the boundaries, ranges in Marri-Bugti country,, coasts, hills, rivers, streams, etc. Periods of Greeks, Sassanians, Budhist, Arabs, Brahman dynasty, first and second dynasty, Durrani dynasty, important events of 1892, etc.

Vol. II—"Tribes" Ethnographical history and population—Migration and marriage customs—Tribes, races, castes language, religion, occupation and customs—Inheritance and tribal constitution—the origin of Baluch social life.

VIGNETTES FROM INDIAN WARS

by Lt. General Sir George MacMunn—first published in early 20th century—Rupees 110.00

Long even before the days of Napoleon, the British and French crossed bayonets in India, and long after St. Helena, when Europe was enjoying its forty years of peace, the British were struggling with the forces of disruption which the dying away of the Moghul had loosed, and the intrigues and endeavours of the French had stimulated. The Vignettes shown in these peges are focussed to give some colour and romance to the dry bones of story, and to reclothe them from the sidelights which remain for those who care to look for them.

AMANULLAH EX—KING OF AFGHANISTAN

by Rolland Wild—first published in 1932—Rupees 125.00

Late Rolland Wild, the author, was in Afghanistan as a Special Correspondent for Daily Mail for a very long period. The book covers events starting from the childhood of Amanullah to his becoming the first Afghan King. Some of the topics of the book are ; A birth in the Afghan Hills—Amanullah looks South—the first Afghan King—Birth of a Nation—A Nightmare Parliament—Defiance to centuries old traditions—Modernization by order.

GREY WOLF—MUSTAFA KEMAL

by Armstrong—first published in 1932—Rupees 150.00

Every quotation and conversation quoted verbatim in the "Grey Wolf"—with the exception of two which are of very minor importance and for which evidence is less assured—has been supplied to the author by Mustafa Kemal himself or obtained documentary or verbal sources which have been severely tested and carefully weighed before their varacity and value have been accepted.

GENERAL JOHN JACOB

by Allexander Innes Shand—first published in 1900—Rupees 145.00

John Jacob was born in Somerset. He joined East India Company in 1828 and 30 yeas later died in his adopted country, the Upper Sind Frontier. To this wild region he brought the rule of law. The book narrates ; Sind in 1883, Frontier fighting, Napier's Operation in Kalat, the Persian War and the India, Mutiny and death in harness

ROMANCE OF THE INDIAN FRONTIERS

by Lt. General Sir George MacMunn—first published in 1928—Rupees 165.00

Some of the topics of his work are ; fringes and frontiers of India—North West Frontier through the ages—Tribes—Great Frontier Rising—War in 2 Tirahs—The North West Frontier in 20th century.

GLOSSARY OF TRIBES AND CASTES OF THE PUNJAB, THE N.W.F.P. AND PROTECTED TERRITORIES ON THE NORTH WEST FRONTIER OF INDIA

by H.A. Rose—first published in 1911 (3 Volumes)—Rupees 880.00

An invaluable work that deals with the history of various tribes and castes of the areas referred to in the above caption. Physical description of the Punjab and its religions with deep scientific study of Devi-Worship in Hinduism, Buddhism and Jainisim, historical aspects of Islamic thoughts and traditions from the medieval times to the end of 19th century with notes on the religions history of Islam are some of the topics of the book.

THE FRONTIER AND OVERSEAS EXPEDITIONS FROM INDIA

(Selection from Govt : Record)—first published in early 20th century—Rupees 905.00 (3 Volumes)

The book contains highly authenticated data of the Geography, History and Tribes of North of the Kabul River, between the Kabul and Gumal Rivers and of Baluchistan, besides covering a short narrative of the first Afghan War for which Baluchistan served as a gate way for all the expeditions. An invaluable book which would grately benefit the students of history. A rare book with full of information and knowledge.

OPERATION OF THE ZHOB FIELD FORCE 1890—OPERATION OF THE TOCHI FIELD FORCE—1897-98—REPORT AND DIARY ON THE MEKRAN EXPEDITION—1901-02

First published in 1892-1900-1902—Rupees 300.00

The very captions of the two operations and one expedtion are indicative of the importance and utility of these works. The book furnishes highly authenticated data and information the source being the Govt : secret record of the British rule in India.

THE CONQUEST OF SIND

by Lt. Col. Outram—first published in late 19th century—Rupees 185.00

Some of the topics of late Col : Outram's work are ; the Treaties with the Ameers-Napier's Diplomacy-charges against the Ameers-Negotiations—Ali-Morad's intrigues, Tendering of a new treaty—The Upper-Scinde Campaign—Advance on Hyderabad—The charges against the Ameers—Their character as men and sovereigns-conclusion.

NOTES ON NOMAD TRIBES OF EASTERN AFGHANISTAN

by Captain J. A. Robinson—first published in 1934—Rupees 160.00

These notes are a collection of information arranged with a view to facilitating easy reference. The tribal tables have been prepared with great care. Considerable attention has been paid to the habits and mode of life of the Powindahs, and to their various activities in India.

PASSING IT ON

by General Sir Andrew Skeen—first published in 1932—Rupees 55.00

Some of the topics are ; Tribal country ; its people, their character and fighting qualities—changes in tribal methods—aspects of junior officers' work with vanguard, transport, picquets and rear-guard-operations ; dispositions, occupations and danger of the floating platoon.

Sole Distributors **Gosha-e-Adab** Circular Road, Quetta (Pakistan)

بقیّہ
صفحہ نمبر ۳۴ سے آگے

Yours most obediently,

Dated. 13-12-1978.

(Shahzada Jaleel Sher Jan)
11-D-I, Gulberg-III, Lahore.

C.C. to :-

1. Mr Justice Malik Muhammad Akram,
Member, Supreme Judicial Council.

2. Mr Justice Durab F. Patel,
Member, Supreme Judicial Council.

√3. Mr Justice Abdul Hakeem Khan,
Chief Justice, Peshawar High Court, Peshawar,
Member, Supreme Judicial Council.

4. Mr Justice Abdul Kadir Sheikh,
Chief Justice, Sind High Court, Karachi,
Member, Supreme Judicial Council.

11/D/1 Gulberg 111
25th March 1971
Lahore

My Dear Maulvi Mushtaq

This is in reference to my ever first visit to your house. This is to confirm my verbal discussion and final request to you.

In brief I would again request you to desist from breaking up Julias marriage. It was my fathers wish and desire that this should not break up. I am sure if you desist from encourageing her it will not brea-k.

As I mentioned to you I came to know your interest in her through Maj.Genral Janjua and it was confirme-d by Flemming Kinaired Julias Husband.

Our family has a name in the country and we are well respected. You by virtue of your position as a Judge of the High Court have a status in society so it will be better if a scandal is avoided as you know she is better knowan as Genral Sherjans daughter.

As mentioned to you if the marriage does brea k up I will be too pleased if you or Janjua marry her. It will stop all scandal. As you are married it may not be possable for you to contract the marriage so it will be better if you avoid her.

You mentioned to me that you had no other motive to see her but were associating with her and visiting her because of the friedship with my late fathers. I submitted to you that I was also the Son of the same Genral Sherjan as a matter of fact the rightfull heir. My fathers Funeral started from my house every body including the then West Pakistan Governor GenralMusa And most of the Judges of the Supreme Court and High Court were at the Funeral even The President F.M. Ayub was represented by his Military Secretary you were evasive and said that you may have been out of station.

So let us be frank with each other. If you want to marry her then say so. You will have my full endorsement.

I am sorry for being so blunt with you in your house the other day and thank you for you kindness and nice cup of tea in your lovely tea cups and sugar of the same colour It was something out of the usual.

With best regards
Yours Sincierly

11/D/1 Gulberg 111
Lahore
5th April 1971

My Dear Moulvi Mushtaq

I thank you for your visit at my house. In reply to my visit and request to you. This visi-it I presume was a sequel to my letter to you dated 25th March.

As stated by me in our discussion your associati-ion with Julia(Mrs Kinaird) has some motive behind it and no matter how much clarifications you give one can not be convinced of your ino-cent intentions. There are many friends of my father whome I know were very dear to him and eve-n they have not shown much interest in the step family because of their rude behavior. As mention-ed by me I do not rank you as one of his best friends as I never saw you in his company in the club or at home he stayed with me for over two yers before he died and I never remember you ever visiting him as his other friends did. So I disb-live your contention.

I therfore onceagain apeal to you to lay off and do not ruin her home but if you suceed then pleas

11/D/1 Gulberg 111
Lahore
Dec24th 1972

My Dear Maulvi Mushtaq

Once again I am writing to you. Inspite of your asurance to me in the past you have no given up you persuit. On the contrary you are becomming more bold and now openly seen having lunch on the swimming pool of the Punjab Club.

You are just behaving like a Husband and wife. If you have secretly married her do let me know. I would have very much liked to see your lady wife also with you in the club. If she was there with you it would stop all Scandal. You Should desist from such behavior. It just Provoks me and in some desperate moment I may do something rash. The other day I did not know where to look when one of the old waiters hesitatingly asked me if you were marri-ed to her and I had to give a convincing reply. These waiters of the club have served my fathers for years and know the whole family. So please once

again I request you to be more discreet. She is a British subject brought up in a different society by her awafull mother but you are a mature person with a position. At least from you I expect a better behavior.

I write these letters to you on the High Court adress as I do not want them to fall into your lady Wifes or any other persons hand. I hope they reach you in your office because you never Acknowledge them. I think you just throw them in the waste paper basket as you think that legaly you are protected. But remember God is watching. I need not stress this point as by virtue of your name you are a MOLVI.

With Best Regards

Yours Sincierly

ANNEXURE D)

Private, Personal & Confidential

Phone [illegible]
11 E-I Gulberg III
Lahore

Dated 19 Dec 1977

My dear General

I am addressing this letter to you as firstly as a citizen of Pakistan and secondly as a retired Service Officer. Before I start my letter, I would like to briefly introduce myself.

I am a retired Pakistan Air Force Officer and son of late Major General Sherjan, the first Judge Advocate General of the Pakistan Army. I have had the honour to meet you when you were in Kohat in the year 1951-52 when I was commissioned and posted in the PAF Station Kohat. You may not be able to place me by name but if we see each other I am sure you will be able to recognise me.

As a citizen of Pakistan and a retired Service Officer it was a great source of happiness that you stepped in at the right time to save the country from the terrible situation in which it stood on the 5th of July 1977, and I hope and pray that you will succeed in the mission that you have undertaken to bring back the country to normalcy and to revive healthy political activities. It is in this context that everyone of us serving as well as retired officer feel it our duty to assist you in any possible way that we can to achieve your goal.

I have in a way been associated with the political activities of the country and also contested the 7th March General Election for the National Assembly from my Constituency of Kasur from where I belong as an independent candidate but needless to say that I met the same fate as the others from the hands of the Peoples Party. Since this period to-date I am in constant touch with the various political leaders and parties just as an observer and I would like to bring to your notice a very few hard facts about what is up in the minds of our present politicians viz a viz the future of Pakistan. I cannot mention everything in a letter which would amount to a very lengthy document.

Apart from the above there is one very important issued in which a very senior person in whom you have put complete trust needs to be exposed as to exactly what is his behaviour while still holding this high office. He and my family name is directly affected, and I would not have bothered to inform you of this but the very existence of the institution which he has at the present moment holding, is at stake and you also as the Chief Martial Law Administrator get also involved in the scandalous conduct which he is persisting to indulge in.

I cannot put in writing as the issue is very delicate and would request a personal private interview with you at the earliest.

With best regards,

Yours sincerely,

Sahibzada Jalil Sherjan
Squadron Leader (Retd)

General Zia ul Haq
Chief Martial Law Administrator
& Chief of Army Staff,
Rawalpindi.

11E/1/[illegible] Gulberg III
Lahore
14th August 1978

My dear General General

This letter is in reference to my first letter requesting for a personal interview dated 19th Dec. 1977 (Copy attached) for ready reference. It has been eight months but there has been no reply and I have waited in vain and hence this letter.

The matter that I wanted to bring to your personal notice as mentioned in my last letter was the personal conduct of Molvi Mushtaq Hussain in whome you had put implicit faith and trust and he was on the Bench presiding over the fate of no less a person then the former President and Primeminister of the country but during the trial before it or after it his personal code of conduct has been and still is very questionable. Being in the position that he is he has become more bold in his misconduct. At present people do not talk because of his position and the present set up but no sooner these protective walls around him go his conduct will be a national scandal. As my family name and the name of my father Major General Sherjan is directly involved in his disgracefull behavior before I take any action to protect my family name and honour as a retired Service officer I had thought it my duty to bring it to your notice but as far I have not been given the time to see you. There is a limit to ones patience and now the time has come that I must act but before doing so I once again seek a personal interview to completely expose the edifice of this so called Molvi and project his true self It is too lengthy a story to be put on paper as you will not have the time to read it all but I assure you when you hear it you will be shocked. Very soon I intend to take the proper action that I deem fit to take report the matter to the Supreme Judicial Council of the country and request an open investigation. I may mention here that legal aid from quarters interested to malign him and destroy his image is not wanting I have been aproached many a times but have avoided it as this scandal will embarrass the present Martial law regime and you as C.M.L.A. because the family to which I belong is a family of illustrious militray record and I do not want to be Genral Tika Khan. But I have the right to protect my family name and honour and there can be no compromise on this.

At present there is lot of stress on Islam and the Islamic way of life and the Islamic code of conduct but if the actual custodians who have to see the implementation of this code of conduct violate it because they are on a high pedestal then I am afraid that we will have mud it as a nation. I therfore once again request you to give me the time to see you being a true muslim that you profess to be I am sure you will appriciate what I will tell you.

Hoping to hear from you

Yours Sincerly

(Shahzada Jalil Sherjan)

11E/1 Gulberg,
Lahore.

Dated: 15th [illegible], 1978.

My dear General,

With reference to my letter dated 14th August, 1978, I have not received any reply to my request. I cannot wait for the problems which I had mentioned to you regarding the gentleman in question. I have waited long enough and now I to conscious is clear that being a retired officer I have done my duty to inform you of my views as there is no alternative left to me to vindicate my family's honour. I am handing over the brief of my case to my lawyers to take appropriate action to submit the formal complaint to the Supreme Judicial Council of the country and request for investigation in the allegations that I have made against the gentleman as mentioned in my letter. I have further given them instructions to release the complaint and other material to the Press if they deem fit. By the time they are ready for action. I once again request you to give me the time to see you so that this matter should be settled without giving it too much publicity.

I am enclosing herewith a brief appreciation of the situation in the country as it has been seen by the citizen of Pakistan from all walks of life. This is just to assist you and bring to your notice the feelings of the general public as have been gathered by me from time to time. I hope that this will be some information and guidance to you in your framing the policy of the country.

I wish and pray that you succeed in your mission to bring back the country on an even keel from the situation that it is. I am sure with your sincere efforts and dedications of your colleagues you will be able to achieve this goal.

Thanking you with regards,

Yours Sincerely,

(Shahzada Jalil Sherjan)

Genl: Muhammad Zia-ul-Haque,
Chief Martial Law Administrator,
C.M.L.A's House,
Rawalpindi.

چراغِ آخرِ شب

* حامد جیلانی *

شعری مجموعہ: "چراغِ آخرِ شب"

شاعر: ظہیر کاشمیری

پبلشر: مکتبہ کارواں، کچہری روڈ لاہور

"چراغِ آخرِ شب" ظہیر کاشمیری کی غزلوں اور نظموں کا نیا مجموعہ ہے۔ اس سے قبل شاعری میں ان کی دو اہم کتابیں "تغزل" اور "عظمتِ آدم" شائع ہو کر قارئین سے دادِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ ظہیر کاشمیری کے اس نئے مجموعے کا نام ان کے ایک شعر ہی سے ماخوذ ہے جو زبان زدِ خاص و عام ہے

ع ہمیں خبر ہے کہ ہم ہیں چراغِ آخرِ شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں اُجالا ہے

اور یہی شعر ان کے شاعرانہ فلسفے کا کلیدی اصول ہے۔ ظہیر کاشمیری کی شاعری وہ سے بھری وہ آواز ہے جس میں احتجاجی احساسات کی توانائی اس طرح گھل مل گئی ہے کہ یہ آواز بیک وقت شیریں اور دل موہ لینے والی ہے اور مظلوموں کو عمل کا تحریکی جذبہ بھی عطا کرتی ہے۔ ظہیر کی شاعری میں یہ بنیادی صفت ان کے ذاتی کردار میں نظریے کی صداقت اور ظالموں سے سمجھوتہ نہ کرنے کے طفیل پیدا ہوئی ہے۔ ورنہ ترقی پسند تحریک میں آوازوں کا ایک ہجوم منصۂ شہود پر آیا تھا مگر آج ظہیر کاشمیری اُن گنی چنی آوازوں میں سے ہیں جن کی جلالتِ فکر سے ترقی پسند تحریک زندہ و پائندہ ہے۔ ظہیر کاشمیری کو یہ امتیاز دو وجوہات کی بنا پر حاصل ہے ایک تو انہوں نے کبھی موجود سے سمجھوتہ نہیں کیا چاہے اس کے لئے انہیں کتنے ہی مصائب اٹھانے پڑے ہوں۔ دوسرا یہ کہ ان کے پیغام کی ترسیل کسی میکانکی فارمولے یا نعرہ بازی کی بجائے شاعری ہی رہی۔ وہ جمالیاتی اشاراتی انداز جو شاعری کو ایک جمالیاتی لبادہ دیتے ہیں ظہیر کے اسلوبِ فن میں بدرجۂ اتم نہ صرف موجود ہیں بلکہ اتنے بھرپور انداز میں اپنا اظہار پاتے ہیں کہ ان کا شعر ادبِ عالی کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔

ظہیر کاشمیری کا شعری فلسفہ یہ ہے کہ کائنات پیہم تغیر آمادہ ہے جب کہ تاریخ میں جبر کی بعض ایسی قوتیں بھی کارفرما ہوتی ہیں۔ جو تاریخ کے تغیر کو یا تو روکنے کی کوشش کرتی ہیں اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر تاریخ کے تغیر کا رُخ بھی ایسی جانب موڑنے کی کوشش کرتی ہیں جس سے ان کے اپنے ظالمانہ مفادات محفوظ رہ سکیں۔ اس مقام پر شاعر کا یہ فرض منصبی ہوتا ہے کہ وہ اپنی نوا کے زور سے تاریخ کے تغیر کو روکنے کی تمام فکری کوششوں کو ناکام کر دے اور ظالم طاقتیں تاریخ کے دھارے کو اپنے حق میں موڑنے کی جو منافقانہ کوششیں بھی کریں شاعر اُن کا پردہ چاک کر کے عوام الناس کو "حقیقتِ عظمیٰ" کا ادراک کرا دے۔ یہ ایک انتہائی جانگسل فرض ہے مگر ظہیر کاشمیری نے اس فرض کی ادائیگی کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔

ظہیر کاشمیری اس دنیا میں ظالم و مظلوم کے رشتے اور مجادلے کو پورے کائناتی پس منظر میں دیکھتا ہے چنانچہ جس طرح اس کا دل اپنے ہم وطن مظلوم عوام کے لئے خون کے آنسو روتا ہے اسی طرح اس کا فکری کرب دنیا کے ان تمام خطوں کے مظلوموں کے لئے خون کے آنسو روتا ہے۔ اسی طرح اس کا فکری کرب دنیا کے ان تمام خطوں کے مظلوموں کے لئے نغمہ خواں ہے جو عالمی سامراج سے برسرِ پیکار ہیں ظہیر کی شاعری کے حوالے سے پوری کائنات ایک وحدت میں منتقل ہوتی ہے اور یوں انسانوں کی سامراجی تقسیم کا نظریہ اس کی شاعری کے مطالعہ سے دم توڑ جاتا ہے۔ اس کی شاعری میں پوری کائنات سانس لیتی ہوئی اور پوری کائنات کے مظلوم ظلم سے نجات حاصل کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مارکس نے کہا تھا "دنیا بھر کے محنت کشو ایک ہو جاؤ "تمہارے پاس کھونے کے لیے زنجیروں کے سوا کچھ بھی نہیں"۔ ظہیر کی شاعری مارکس کی اس پیشین گوئی

کی سچی شاعرانہ گواہی ہے۔ ظہیر کی شاعری کا وحدتِ تواناں کائنات کا پس منظر دیکھنا ہو تو ان کی نظمیں "ہمت نہ ہارو" "بنت اللیل" "اجرا تم" "سوزنہ جمیلہ" "ٹیڈر روتی" "میں بنگمری کا فرزند ہوں" وغیرہ پڑھ کر دیکھئے۔ ظہیر کی نظم "آدم اور سانپ" جہاں تخلیقی سطح پر ایک بھرپور شاہکار ہے وہاں انسان اور ظالم قوتوں میں ازلی تضادات کا بھی بھرپور اعلامیہ ہے۔ ان کی نظم "کہاں کا محمود کہاں کا ایاز" موجودہ اقتدار پر ایک بھرپور شاعرانہ طنز ہے جس میں ہمارے معاشرے کی دوغلی اخلاقیات ننگی ہو جاتی ہے۔ "آدمی نامہ" ظہیر کاشمیری کی وہ عظیم نظم ہے جس میں مستقبل کے انسان کا منشور تخلیق کیا گیا ہے۔ اس نظم کے حوالے سے مستقبل کا ایک ایسا انسان ظہور پا رہا ہے جو تمام توہمات سے آزاد ہو کر نا رفتہ ساختی بنیادوں پر نئے جہان کی تشکیل کرتا ہے اور یہ انسان امکانات سے اس قدر مسلح ہے کہ اس کی شکست کا شائبہ بھی نہیں مستقبل کے انسان کی یہ حقیقت پسندانہ رجائی تصویر ظہیر کاشمیری کی شاعری کو ایسے مقام پر فائز کر دیتی ہے جس کی بشارتیں انسانوں کے اپنے عمل سے نمود پاتی ہیں کسی غیبی طاقت کی وجہ سے نہیں۔ اس کی طرزِ فکر بانجھ کرنے والی نہیں بلکہ عمل پر آمادہ کرنے والی ہے یہ اسی طرزِ فکر کی عطا ہے کہ اس کی نظم میں انسان ایک نئے اعتماد کے ساتھ کائنات اور فطرت سے یوں مخاطب ہوتا ہے

میری ٹھوکر میں ہے ہیبت زلزلے و طوفاں کی
کام ہے تسخیرِ فطرت کا آغاز ہے
میں نگاہِ اژدہا کی طرح بھرتا ہوں رواں
میرا سوز نادرہ ہے میرا دم اعجاز ہے

انسان کو ظہیر جو اعتماد بخشتا ہے وہ سوز دروں کی پیداوار ہے اور یہی سوزِ دروں اگر عوام کے دلوں میں پیدا ہو جائے تو غلامی کی زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں۔

نظموں کے علاوہ ظہیر کے اس مجموعے میں خوبصورت غزلیں بھی ہیں۔ یہ غزلیں ایک بھرپور شعری اظہار کا مظہر ہیں۔ ان میں غزل کی ایمائی حیثیت کو مجروح کیے بغیر کائنات اور انسان کے درمیان مجادلے کی ایسی ایسی تفصیلیں بیان کر دی گئی ہیں جن کے اظہار میں بڑے بڑے مفکر بھی معذور نظر آتے ہیں۔ ان

غزلوں میں جمالیاتی رچاؤ فلسفیانہ تجزیاتی فکر سے مملو ہوکر اس طرح اپنا اظہار کرتا ہے کہ جمالیاتی حسن کی تسکین کے ساتھ ساتھ شعور وجدان کی قوتیں بھی متحرک ہو جاتی ہیں اور اشعار دل سے گزر کر روح میں گھل جاتے ہیں اور یہی ایک بڑی شاعری کی پہچان ہے۔

کتاب کے آغاز میں ظہیر نے جو مختصر سا پیش لفظ لکھا ہے اس کے مطالعے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ ظہیر کا مطالعہ کس قدر وسیع ہے اور اس کا تجزیاتی ذہنی عمل کس قدر پختہ و راسخ ہے۔ وہ مجھے ہومر کی "اوڈیسے" کا وہ ہیرو نظر آتا ہے جو بے سر و سامانی اور ٹوٹی ہوئی کشتی کے سہارے پوری دنیا کا چکر لگا کر اپنے وطن واپس آجاتا ہے اور ظالم قوتوں کے خلاف تھکاوٹ کے باوجود ایک بار پھر برسر پیکار ہو جاتا ہے۔

بقیہ: مسئلہ بلوچستان

ہی یہ احساس ہوتا ہے کہ یہاں لاہور یا کراچی کا کوئی گوشہ آباد ہے یہ تو ملازمتوں تک کی بات ہے لیکن بلوچستان کا اصل مسئلہ یہ نہیں ہے۔

بلوچستان کا اصل مسئلہ سیاسی ہے یہی اس مسئلے کی ابتدا ہے یہی اس کی بنیاد اور یہی انتہا اس کو سمجھنے کے لئے ہمیں ماضی کے جھروکوں سے جھانکنا ہوگا۔ انگریزی حکومت کا بلوچستان کے معاملات میں حقیقی عمل دخل ۱۸۹۳ء میں خان میر خداداد خان کی جبری معزولی سے ہوا۔ لیکن انگریز نے اس خطے پر کبھی براہ راست حکمرانی نہیں کی (سوائے کوئٹہ شہر و چھاؤنی کے) انگریزی دور حکومت میں بلوچستان میں مکمل داخلی خودمختاری تھی انگریزوں نے یہاں کے خارجی امور اور فوجی معاملات کو اپنے کنٹرول میں رکھا اس کے باوجود بلوچستانی نے انگریزی حکومت کی کئی مرتبہ مسلح مزاحمت کی اسی استعمار دشمنی کے باعث یہاں کے لوگوں کو تحریک کے ساتھ خصوصی لگاؤ رہا

حصول آزادی کے بعد اس خطے کے لوگوں کو بے انتہا مسرت ہوئی اور ان کا تمام تر ذہنی و قلبی لگاؤ مسلم مملکت پاکستان کے ساتھ تھا اور یقیناً وہ اپنی قسمت اسی کے ساتھ وابستہ سمجھتے تھے۔ لیکن اس ابتدائی مرحلے پر پاکستانی حکمرانوں سے وہ چوک سرزد ہو گئی جس کا ازالہ آج تک نہیں ہو سکا۔ اہل بلوچستان سے ان کے اپنے مخصوص مزاج کے مطابق برتاؤ کی پالیسی اختیار کرنے کی بجائے انگریزی دور سے بھی بدتر پالیسی اختیار کی گئی خان قلات کو جو بلوچستان کی ریاستوں کی نمائندگی کرتا تھا الٹی میٹم دے دیا گیا۔ کہ فوراً اور غیر مشروط طور پر پاکستان میں شمولیت اختیار کر لو ورنہ فوجی حملے کے لئے تیار ہو جاؤ اس بات کا اظہار خود مرحوم میر احمد یار خان نے اپنی کتاب IN - SIDE BALOCHISTAN میں کیا ہے اس طرح بلوچوں کو نئی مسلم مملکت کی طرف سے جو عطیہ ملا وہ فوجی حملے کی دھمکی تھی اس طرح خشتِ اول ہی درست نہ رکھی گئی اصل میں یہیں سے بلوچستان کے مسئلے کی ابتدا ہوئی۔ اور اس سے جو نفسیاتی تناؤ پیدا ہوا۔ اسے ابھی تک ختم نہیں کیا جا سکا ہے اگر شمولیت کے مسئلے کو عزت و احترام کے ساتھ طے کیا جاتا تو کبھی بلوچستان کے ساتھ "مسئلہ" کا لفظ چسپاں نہ ہوتا۔ عزت و وقار بلوچ کی بہت بڑی کمزوری ہے اور انگریز محققین نے کئی بار اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے جبکہ یہی وہ واحد چیز ہے جسے پاکستانی حکمرانوں نے بلوچوں کے ضمن میں یکسر فراموش کر دیا ہے مستقبل کی تمام باتیں اور واقعات کا منبع اسی ابتدائی غلطی کا نتیجہ کہی جا سکتی ہیں اس کے بعد سے آج تک چار مرتبہ بلوچستان پر کسی نہ کسی طور فوج کشی ہوئی جس کے نتیجے میں بھائی چارے کو "فروغ" کے اقدامات کے باوجود بھائی چارے کی فضا پیدا نہ ہو سکی۔

آزادی سے قبل مسلم لیگ کے مشہور چودہ نکات میں بلوچستان کو صوبائی درجہ دینے کے مطالبے کو بنیادی اہمیت حاصل تھی لیکن حصول آزادی کے بعد بلوچستان کے لئے صوبہ کی بات کرنا بھی غداری کے مترادف قرار پایا۔

صوبہ بن جانے کے بعد صوبائی خودمختاری کی بحث تو الگ بات ہے یہاں ۱۹۷۳ء میں جس طرح صوبے کی اکثریتی منتخب حکومت کو بلا کسی معقول جواز کے برطرف کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس امر کی آخر کیا ضمانت موجود ہے کہ آئندہ بلوچستان کی صوبائی اسمبلی کی چالیس میں سے اگر اکتالیس نشستیں بھی ایک سیاسی جماعت حاصل کرے جو مرکزی حکومت کی منظور نظر نہ ہو تو پھر بلوچستان کے لوگوں کی اس منتخبہ سیاسی پارٹی کو صوبے میں حکومت چلانے کی اجازت دی جائے گی یہ ایک نہایت سنجیدہ سوال ہے اور یہی تمام خدشات کی بنیاد ہے اگر اس اندیشے کا کسی صورت مناسب آئینی علاج کیا جائے تو شکوک کے بادل چھٹ سکتے ہیں۔

اگر صوبے کے سیاسی معاملات میں یہاں کے لوگوں کی اہمیت و شرکت کو تسلیم کر لیا جائے تو معاشی اور ترقیاتی امور کبھی مسئلے کا نام اختیار نہیں کر سکیں گے اگر کسی شخص کو اس کے گھر سے یکسر بے تعلق بنا کر اس کے گھر کی شاندار تعمیر کی جائے تو ایسی تعمیر سے اس کا محروم مالک کوئی سروکار نہیں رکھے گا اس کے برعکس اگر خود اسی سے اس کی گھر کی تعمیر کے لیے مشورہ لے کر اس کے تعاون کے ساتھ اس کے سابقہ مکان کو اگر گرا بھی دیا جائے تو اسے افسوس یا رنج نہ ہوگا بلوچستان کی ساری صورتحال اس مثال سے سمجھی جا سکتی ہے۔

یہاں کے لوگوں کو یکسر الگ مخلوق سمجھنے ہی کا نتیجہ ہے کہ یہاں تمام تر ترقیاتی منصوبے یہاں کے لوگوں اور صوبے کے لیے قطعاً بے فائدہ اور بے کار ہیں مثال کے طور پر کروڑوں روپے کی لاگت سے کوئٹہ میں زیر تعمیر ٹیکسٹائل پروجیکٹ کو بلوچستان کے لوگ ایک بے کار منصوبہ سمجھتے ہیں چونکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ بلوچستان میں کپاس کی پیداوار مفقود ہے اب جس صنعت کے لیے خام مال اس علاقے میں

سرائیکی زبان کو مساوی درجہ دیا جائے

پاکستان سرائیکی سنگت صوبہ سندھ کے کنوینر اور مستوئی اینڈ فیملیز ایسوسی ایشن گڈانی کے چیف آرگنائزر کامریڈ عاشق ظفر بھٹی کی صدارت میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں سرائیکی زبان بولنے والے جو کہ کراچی کے مختلف مقامات پر رہتے ہیں نے شرکت کی۔ کامریڈ عاشق ظفر بھٹی نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان سرائیکی ہے۔ لیکن حکام اور دیگر سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے اس زبان کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ سرائیکی بولنے والے علاقوں کو پسماندہ رکھا گیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر سرائیکی زبان کا تعین کیا جائے تو ملتان ڈویژن۔ بہاولپور ڈویژن۔ ضلع میانوالی جھنگ۔ سرگودھا۔ کیمبل پور۔ صوبہ سرحد سے ڈیرہ اسماعیل خان۔ صوبہ بلوچستان سے ضلع کچھی اور صوبہ سندھ سے ضلع سکھر اور نواب شاہ میں سرائیکی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اب تک چند مفاد پرست طبقوں نے سرائیکی بولنے والوں کا استحصال کیا ہے لیکن اب سرائیکی بولنے والوں کا شعور اجاگر ہو گیا ہے انہوں نے کہا کہ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ سرائیکی زبان کو بھی دیگر صوبوں کی زبانوں کے مساوی درجہ دیا جائے اور پاکستان کا ایک پانچواں صوبہ سرائیکی بنایا جائے۔ اور سرائیکی بولنے والوں کی پسماندگی دور کی جائے۔

موجود نہ ہو تو ایسی صنعت کی افادیت آخر کیا ہو سکتی ہے جبکہ اس کے لیئے مزدور بھی باہر سے درآمد کیے جائیں واضح رہے کہ بیس سال قبل بھی کوئٹہ میں سرایاب ٹیکسٹائل ملز لگایا گیا تھا لیکن پانچ سال قبل یہ مکمل طور پر بند کیا گیا اور اس کی مشنری بھی اکھاڑ کرلے جائی گئی

یہ عجیب بات ہی تو ہے کہ جو خام مال بلوچستان میں موجود ہے اس کے کارخانے صوبے سے باہر ہیں اور جس چیز کا یہاں وجود نہیں اس کا کارخانہ قائم کیا جائے سنگ مرمر اور سوئی گیس بلوچستان سے نکلیں لیکن ان کے کارخانے کراچی میں لگیں اور کپاس سندھ ، پنجاب میں ہو تو اس کا کارخانہ کوئٹہ میں قائم کیا جائے سبحان اللہ! کیا منصوبہ بندی ہے اسی لیئے تو یہاں کے باشعور لوگ کہتے ہیں کہ سیاسی معاملات صوبے کے ہاتھ میں ہونگے تب ہی صوبے کے لیئے صحیح ترقیاتی منصوبے بنائے جا سکیں گے۔

بلوچوں کے لیئے سب سے تکلیف دہ بات ہے کہ انہیں اب تک برابر کا پاکستانی شہری تسلیم نہیں کیا گیا ان کی وفاداری پر شک کیا جاتا ہے ضلع چاغی کے ایک بلوچ کے لیئے ایرانی بلوچستان کے دارالحکومت زہدان جانا آسان ہے لیکن اپنے صوبائی دارالحکومت کوئٹہ آنے کے لیئے اُسے راستے میں کئی مرتبہ چیکنگ اور تلاشی کے اذیت ناک مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

ہر بلوچ اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ اس کی قومیت کا تشخص اور بقاء پاکستان کی سرزمین سے وابستہ ہے وہ اس بات سے بھی بے خبر نہیں کہ اس وقت پاکستان میں بڑی طاقتوں کی دلچسپی کا مرکز بلوچستان ہی ہے اور ساتھ ہی وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ پاکستان کی سلامتی کو کچھ ہو گیا تو اس خطے (بلوچستان) میں شاید بلوچوں کو ایک قوم کی حیثیت میں برداشت ہی نہ کیا جائے لیکن اسے نہ جانے ایک حماقت کا نام دیا جائے یا سازش کا کہ جو بلوچستان میں تواتر کے ساتھ دہرائی جا رہی ہے کہ پاکستان کی سرزمین میں اسے بندوق کی گولی یا جیل کی چاردیواری ہی مل سکتی ہے اور اسے عزت اور زندگی کا تحفظ کابل سے ہی مل سکتا ہے جب تک بلوچوں کو ارض پاکستان کا ایک لازمی اور برابر کی حیثیت کا جزو تسلیم نہیں کیا جاتا بلوچ احساس محرومی اور تناؤ کا شکار رہیں گے اور جب کسی ملک کی آبادی کا حصہ مسلسل احساس محرومی اور دباؤ کا شکار رہے تو اس عمل کا کوئی بھی خوفناک ردِعمل ظاہر ہو سکتا ہے اور ردِعمل کے نتائج اکثر المناک ہی ہوا کرتے ہیں خدا کرے اس نکتے تک پہنچنے سے قبل ہی مسائل کی حقیقتوں کو تسلیم کیا جائے اور بلوچوں کو خود بلوچستان کے اندر اجنبی سمجھنا ترک کیا جائے اس کے لیئے ملک کی ترقی پسند قوتیں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں اور اس وقت بلوچوں کو کسی بھی ایسے سہارے اور حمایت کی ضرورت ہے جو کہ درحقیقت ملک کی سلامتی و اتحاد کا سنگ میل ہوگا۔

قومی اتحاد سامراج کے ذہن کا پیداوار ہے

"بقیہ" :- صالح محمد

وعدہ کیا ہے اگر وہ انتخاب ہوئے تو کیا آپ کی جماعت ان انتخابات میں حصہ لے گی۔

جواب : انتخابات ہمارا مقصد نہیں مگر انتخابات ہمارے نزدیک مقصد کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ ویسے بھی ہمارے ملک میں اکثریت سے جیتنے والی جماعت کو کبھی اقتدار نہیں ملا کیونکہ انتخابات میں فیصلہ ملک کے غریب محنت کش عوام کرتے ہیں اور ان کا کیا ہوا فیصلہ سامراج کے نزدیک ناقابل قبول ہوتا ہے اور پھر یہ توقع ہے ہی نہیں کہ ہمارے ملک میں انتخابات ہوں گے کیونکہ ۹۰ دن کی مدت طویل سے طویل تر ہوتی جا رہی ہے جس کے ختم ہونے کے ابھی امکانات دکھائی نہیں دیتے اگر خدانخواستہ کسی مجبوری کے تحت حکومت نے انتخابات کرائے بھی اور ہماری پارٹی نے محسوس کیا کہ انتخابات میں حصہ لینے سے جمہوری اور عوامی طاقتوں کو فائدہ پہنچے گا تو ہم انتخابات میں ضرور حصہ لیں گے اس وقت ہماری پارٹی کا موقف یہ ہے کہ فوج فوری طور پر بیرکوں میں واپس چلی جائے اور اقتدار جمہوری قوتوں کے متحدہ اتحاد کے حوالے کیا جائے اور اسی اتحاد کی نگرانی میں انتخابات ہوں تو ان انتخابات سے بہتر نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے۔ موجودہ حکومت کی نگرانی میں ہونے والے انتخابات کے بعد برآمد ہونے والے نتائج کے بارے میں ہم کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہیں۔

س : ملک کی دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ اتحاد کے بارے میں آپ کی جماعت کا کیا موقف ہے۔

جواب : ہمارا اتحاد ایسی جماعت کے ساتھ تو ممکن ہے جو ہمارے نظریات رکھتی ہو۔ اور اس کا پروگرام ہمارے پروگرام سے ملتا ہو۔ ہم کسی بھی ایسی جماعت سے اتحاد کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ جس کی باگ ڈور سامراج کے ہاتھ میں ہو جو سامراجی قوتوں کے مفادات کی محافظ ہو۔ ملک کے سرمایہ داروں، جاگیرداروں کی سرپرست ہو۔ ایسی جماعتوں کے ساتھ ہمارا اتحاد ناممکن ہے۔

س : آپ کی جماعت قومی اتحاد میں شامل کیوں نہیں ہوئی جب کہ آپ کے کالعدم نیپ کے سابقہ ساتھی این ڈی پی کی شکل میں اتحاد میں شامل تھے۔

جواب : ہمارے اتحاد میں عدم شمولیت کی وجہ یہ تھی کہ وہ دائیں بازو کی جماعتوں کا اتحاد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بائیں بازو کی جماعتوں کو اتحاد میں شمولیت کی دعوت نہیں دی گئی۔ جہاں تک ہمارے پرانے ساتھیوں کا تعلق ہے تو ان کے ساتھ ہمارے اختلاف کی بنیادی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ اپنے اصل پروگرام اور نظریہ سے ہٹ گئے تھے اور پھر ہمارے نزدیک یہ اتحاد سامراج کے اشارے پر ملک میں مارشل لاء کی راہ ہموار کرنے کے لئے وجود میں آیا تھا اور جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو اتحاد ٹوٹنا شروع ہو چکا ہے اس ضمن میں اتحاد کی اہم رکن تحریک استقلال کے سربراہ اصغر خان نے واضح الفاظ میں ذکر کر دیا، کہ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد اب اتحاد کی ضرورت نہیں رہی ہے اور پھر یہ بات بھی ہمارے سامنے ہے کہ اصغر خان نے ایک اتحادی کی حیثیت میں فوج کو دعوت دی تھی کہ وہ آگے آئے اور اپنا کردار ادا کرے اس لئے اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ یہ اتحاد سامراج کے ذہنِ رسا کی پیداوار تھا اور سامراج اس اتحاد کے ذریعہ فوج کے لئے راہ ہموار کرنا چاہتا تھا۔

س : آپ کے نزدیک بھٹو حکومت کے زوال کے اسباب کیا ہیں۔

جواب : بھٹو نے اپنے آخری دور میں امریکی سامراجی مفادات کو تحفظ دینے سے انکار کر دیا۔ اور کمیونسٹ ممالک سے پیار کی پینگیں بڑھانا شروع کر دی تھیں۔ بھٹو نے روس کے تعاون سے پاکستان میں اسٹیل کے کارخانے کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی حالانکہ یہ معاہدہ بہت پہلے ہوا تھا۔ مگر امریکی سامراج کے پاکستانی دلال حکمرانوں کے باعث یہ منصوبہ سرد خانے

کی نذر ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے علاوہ بھٹو نے پولینڈ کی مدد سے پاکستان میں ٹریکٹر بنانے کے کارخانے قائم کرنے کے لیے بھی معاہدہ کیا۔ اس کے علاوہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ ممالک سے تجارتی تعلقات بھی استوار کرنے کی کوشش کی۔ امریکی سامراج کے نزدیک بھٹو کا ایک جرم اور بھی تھا وہ یہ کہ بھٹو نے اپنے پڑوسی ممالک کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کر لیے تھے اور ان تعلقات میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بھٹو غیر ترقی یافتہ ملکوں کی باتیں بھی کرنے لگے تھے۔ لہٰذا امریکی سامراج بھٹو کی انتخابی غلطیوں کو کیونکر معاف کر دیتا۔

س: ملک میں ہونے والے احتساب کے بارے میں آپ کی پارٹی کا کیا خیال ہے

جواب: احتساب کے معاملے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ احتساب کا حق صرف اور صرف عوام کو ہے جنہیں گذشتہ ۳۲ سالوں سے لوٹا کھسوٹا جا رہا ہے ہمارے نزدیک اگر احتساب ہونا ہی ہے تو ان لوگوں کا بھی احتساب ہونا چاہیئے جنہوں نے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے۔ بلوچستان میں ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے ہیں۔

س: موجودہ سول کابینہ میں شامل افراد کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے

جواب: ہماری پارٹی کے نزدیک موجودہ سول کابینہ غیر قانونی ہے اور اس کابینہ کو طاقت اور سنگینوں کے زور سے عوام پر تھونپا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس کابینہ کو عوام نے منتخب نہیں کیا اور نہ ہی اس کابینہ کو عوام کی حمایت حاصل ہے اور پھر ہمارے نزدیک تو سول کابینہ بنانے والی حکومت ہی غیر قانونی ہے۔ ایسی صورت میں اس حکومت کی بنائی ہوئی کابینہ کیونکر قانونی ہو سکتی ہے

س: جداگانہ انتخابات کے بارے میں آپ کی پارٹی کا کیا موقف ہے۔

جواب: ہماری پارٹی جداگانہ انتخابات کے خلاف ہے کیونکہ ہم عوام کے اقتدار اعلیٰ پر مبنی غیر فرقہ وارانہ اور تعصب سے پاک جمہوری نظام قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں تمام شہریوں کو یکساں حقوق حاصل ہوں۔ جداگانہ انتخابات کے باعث ملک میں فرقہ واریت کو تقویت ملے گی جس کے باعث ملک بہت سے ایسے مسائل سے دوچار ہو جائے گا جن کا ہم اب اندازہ نہیں لگا سکتے

س: پاکستان میں موجودہ حکومت اسلامی نظام نافذ کر رہی ہے اس نظام کے بارے میں آپ کی پارٹی کا کیا خیال ہے

جواب: ہم ہر اس نظام کی حمایت کریں گے جو اس ملک کے غریب محنت کش عوام کو جاگیرداروں سرمایہ داروں صنعت کاروں کے استحصال سے نجات دلائے ہم کسی بھی ایسے نظام کی حمایت نہیں کر سکتے جو جاگیرداروں وڈیروں اور سرمایہ داروں کی سرپرستی کرتا ہو اور غریب محنت کش کے منہ سے اس کا نوالہ بھی چھین لے۔

س: وہ کیا اسباب تھے جن کے باعث آپ این ڈی پی سے علیحدہ ہوئے اور نئی پارٹی تشکیل دی

جواب: نیپ پر پابندی کے بعد این ڈی پی وجود میں آئی۔ ۱۹۷۶ء کے دوران پشاور میں سردار شیرباز مزاری کی صدارت میں ایک کنونشن ہوا جس میں کسانوں طلباء، مزدوروں کو نمائندگی نہیں دی گئی اس کے علاوہ منشور اور نظریاتی پالیسی لائحہ عمل پر ہمارا اختلاف پیدا ہوا جو ہماری پارٹی سے علیحدگی کا باعث بنا۔

س: آپ کی جماعت نیشنل پروگریسو پارٹی کا منشور کیا ہے؟

جواب: ہماری پارٹی منشور کے اہم نکات میں چار قوموں کے حقوق کا تحفظ کرنا مکمل صوبائی خود مختاری جس میں مرکز کے پاس صرف دفاع کرنسی امور خارجہ اور مواصلات کے محکمے ہوں۔ ملک کو سامراجی مداخلت سے مکمل نجات دلانا استحصال سے پاک معاشرے یعنی اقتصادی خوشحالی معاشرتی ترقی کے لئے غیر طبقاتی سماج کے قیام اور غیر فرقہ وارانہ تعصب سے پاک قومی جمہوری نظام کا قیام منصفانہ انتخابات کے ذریعہ غیر مشروط طور پر اقتدار منتخب اداروں کو منتقل کرنا ہماری پارٹی کے منشور کا اہم حصہ ہیں۔

س: صوبائی خود مختاری کے سلسلے میں این ڈی پی کے بزنجو صاحب اور آپ کی جماعت کی سوچ میں کیا فرق ہے

جواب: بزنجو صاحب قوموں کی خود مختاری کی جو بات کر رہے ہیں دراصل وہ کالعدم نیپ کے منشور کی بات کر رہے ہیں۔ اور ہم بزنجو صاحب سے متفق ہیں لیکن دوسری طرف این ڈی پی میں شامل سیاسی لیڈر حضرات جاگیرداری اور سرمایہ داری کو تحفظ دینے کے لیے نسل پرستی کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔ حالانکہ قومیتوں کے حقوق کے لیے جمہوری جدوجہد کو پاکستان میں مختلف طبقوں کی جدوجہد سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن این ڈی پی کی قیادت مکمل صوبائی خود مختاری کو صوبائی اختیارات کی ایک نئی اصطلاح کے ذریعہ عوام میں روشناس کرانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ فوجی حکومت سے بھی تعاون کر رہے ہیں۔

س: پڑوسی ملک افغانستان میں حالیہ انقلاب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے

جواب: افغانستان کا انقلاب قومی جمہوری انقلاب ہے اور یہ انقلاب افغانستان کے محنت کش، دانشوروں، طلباء اور دہقانوں کے تعاون سے لایا گیا ہے ہم اس انقلاب کا خیر مقدم کرتے ہیں جب کہ قومی اتحاد اور این ڈی پی جیسی جماعتیں اس انقلاب سے خوش دکھائی نہیں دیتیں۔ کیونکہ جب ولی خان کوئٹہ گئے تو پی ایس ایف کے طلباء نے افغانستان کے انقلاب کی حمایت میں نعرے لگائے تو این ڈی پی کے لیڈروں اور جنرل سیکرٹری نے بیان دیا کہ ان کا اور ان کی جماعت کا ان نعروں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ این ڈی پی کے لیڈروں کو مظلوم قوموں اور طبقوں سے کسی قسم کی ہمدردی نہیں ہے

سوال: آپ نے صحافیوں کی حالیہ جدوجہد میں حصہ لیا اور حیدرآباد میں گرفتاری پیش کی صحافیوں کی تحریک کے بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں۔

جواب: صحافیوں کی تحریک صرف صحافیوں کی تحریک نہ تھی بلکہ یہ تحریک پاکستان کے محنت کش مزدوروں، ہاریوں، کسانوں اور طلبا کی تحریک تھی آزادی صحافت کے لیے جمہوری تقاضہ ہے کہ صحافت پر عائد پابندیاں ختم کی جائیں تا کہ عوام کے صحیح مسائل اور خیالات سامنے آ سکیں۔ وہ لوگ جو جمہوریت کے داعی تھے اب عوام کے سامنے ننگے ہو چکے ہیں۔

صاحب آپ کے خون میں سیاسی جراثیم کی مقدار زیادہ ہو گئی ہے
کبھی صوبوں کو الگ الگ کرنے کے جراثیم زیادہ ہو جاتے
ہیں اور کبھی ملک کو کئی ملک بنانے کے۔
جاوید
میرے محبوب — میں تمہیں آسمان سے تارے توڑ لانے
کو نہیں کہوں گی۔ بس تم مجھے ایک مکان بنوا دینا رہنے کو۔
یہیں زمین پر ......

دنیا کے مشہور
مصنفین کی بہترین کہانیاں

حیرت انگیز
جرم و سزا
پُراسرار
خوفناک
سراغرسانی
شکاریات
مہم جوئی
طنز و مزاح

ناقابلِ فراموش ناول کی تلخیص
نفسیاتی اور جنسی الجھنوں پر سائنسی اور ماہرانہ مشورے
برصغیر کے نامور ادیبوں کی کہانیوں کا انتخاب
ڈائجسٹ سائز پر سب سے الگ ماہنامہ
خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ

؟

عنقریب شائع ہو رہا ہے

ہاروی مطبوعات ○ کراچی ۲۹